ماھنامہ

حکمت بالغہ

اکتوبر 2007

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس: 0092-47-7628361

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ www.hamditabligh.net پر حکمت بالغہ کے تمام شمارے دستیاب ہیں

فرمانِ خداوندی

سورۃ واقعہ

75 تا96

فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ

ہمیں تاروں کی منزلوں کی قسم

وَ اِنَّہٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عَظِیۡمٌ

اور اگر تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے

اِنَّہٗ لَقُرۡاٰنٌ کَرِیۡمٌ

کہ یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے

فِیۡ کِتٰبٍ مَّکۡنُوۡنٍ

(جو) کتاب محفوظ میں (لکھا ہوا ہے)

لَّا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَہَّرُوۡنَ

اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں

تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

پروردگار عالم کی طرف سے اتارا گیا ہے

اَفَبِہٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَنۡتُمۡ مُّدۡہِنُوۡنَ

کیا تم اس کلام سے انکار کرتے ہو؟

وَ تَجۡعَلُوۡنَ رِزۡقَکُمۡ اَنَّکُمۡ تُکَذِّبُوۡنَ

اور اپنا وظیفہ یہ بناتے ہو کہ (اسے) جھٹلاتے ہو

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ

بھلا جب روح گلے میں آ پہنچتی ہے

وَ اَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ

اور تم اس وقت (کی حالت کو) دیکھا کرتے ہو

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ

اور ہم اس (مرنے والے) سے تم سے بھی زیادہ نزدیک
ہوتے ہیں لیکن تم کو نظر نہیں آتے

فَلَوْ لَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ

پس اگر تم کسی کے بس میں نہیں ہو

تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

تو اگر سچے ہو تو روح کو پھیر کیوں نہیں لیتے

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ

پھر اگر وہ (خدا کے) مقربوں میں سے ہے

فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ

تو (اس کے لئے) آرام اور خوشبودار پھول اور نعمت کے باغ ہیں

وَ اَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ

اور اگر وہ دائیں ہاتھ والوں میں سے ہے

فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ

تو (کہا جائیگا کہ) تجھ پر داہنے ہاتھ والوں کی طرف سے سلام

وَ اَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ

اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے

فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ

تو (اس کے لئے) کھولتے ہوئے پانی کی ضیافت ہے

وَّ تَصۡلِيَةُ جَحِيۡمٍ

اور جہنم میں داخل کیا جانا

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الۡيَقِيۡنِ

یہ (داخل کیا جانا یقیناً صحیح یعنی) حق الیقین ہے

فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ

تو تم اپنے پروردگار بزرگ کے نام کی تسبیح کرتے رہو

حرف آرزو

نبی آخرالزماں حضرت محمدﷺ کی حیات طیبہ میں 9 ــــــ رمضان المبارک آئے جن میں سے چھ ماہ صیام کلیۃً قتال، اس کے متعلقہ امور اور اس کے بعض شر انگیز اثرات کو زائل کرنے میں صرف ہوئے جبکہ آپﷺ نے صرف تین ماہ صیام معمول کی مدنی زندگی میں گزارے۔

لفظ ''صوم'' کی حقیقت پر غور کریں یہ لفظ رمضان المبارک کے روزے فرض ہونے سے پہلے ہی اہل عرب استعمال کرتے تھے اور اپنے گھوڑوں کو جنگ کی سختیوں اور صحراء کی مشکلات سے نبرد آزما ہونے کے لئے گرمیوں کے موسم میں ''لُو'' میں کھڑا رکھتے اور بھوکا پیاسا رکھ کر تربیت کرتے تاکہ جنگ میں سوار کے ہمت ہارنے اور تھکنے سے پہلے کہیں سواری ہی نہ ہمت ہار دے اور یوں کامیاب معرکہ آرائی کہیں شکست میں نہ بدل جائے۔

یہی لفظ ''صوم'' اللہ تعالیٰ نے اس معنوی حُسن (جذبے، تحریک، جھپٹنے، پلٹنے کے عمل اور باطل کے علمبرداروں کو تاخت و تاراج کرنے کی کارروائیوں کی کامیاب منصوبہ بندی) سمیت ایک فرض عبادت اور ارکان اسلام کے مقام بلند تک پہنچا دیا۔ روزے کی عبادت دراصل اہل ایمان کی خاص تربیت ہے جو اللہ کی معرفت اور وجدان کے جلو میں اللہ اور اس کے رسولﷺ کی پکار پر لبیک کہنے کی مشق بھی ہے۔ جس سے 'فلیستجیبوا لی' کا روح افزاء مژدہ اپنے باطن کی آواز اور دل کے نہاں خانہ سے اٹھتا ہوا محسوس ہوتا ہے مراد یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسولﷺ کی پکار پر ایسے تربیت یافتہ اہل ایمان نہیں اٹھیں گے تو اور کون بدر و اُحد کے میدان کارزار سجائے گا۔ چنانچہ سورۃ انفال میں فرمایا!

یا ایھا الذین امنوا استجیبوا للّٰہ و للرسول اذا دعاکم لما

یحییکم (الانفال24)۔

''اے اہل ایمان! اللہ اور اس کے رسول کے پکارنے پر لبیک کہو جبکہ وہ تمہیں ایسے کام کے لئے بلاتے ہیں جو تمہیں حیات جاوداں بخشتا ہے''۔

صوم، ماہ صیام اور دین کی پکار پر لبیک کہنے میں ایک پوشیدہ مگر مضبوط نسبت ہے۔اسی طرح ہمارے مروّجہ سلاسل تصوف کی تربیت میں بھی بظاہر دلائل کے نمایاں نہ ہونے کے باوجود ایک نسبت ـــــــــ حقیقی دین کی پکار پر لبیک کہنے کے ساتھ موجود ہے، بالکل ظاہر سی بات ہے کہ دین کا تقاضا میدان عمل میں نکلنے کا ہو اور موقع باطل سے پنجہ آزمائی کا ہو ـــــــــ اور اس کے لئے ایسے لوگ نکل کھڑے ہوں جو ہمارے اہل تصوف کے نزدیک نہ تربیت یافتہ ہوں نہ فارغ التحصیل، نہ عالم ہوں نہ فاضل، نہ مفتی ہوں نہ اجازت یافتہ پیر بھائی، نہ قلب جاری رکھتے ہوں نہ لطائف سے آشنا، نہ خداشناس ہوں نہ پیغمبر شناس، نہ سنت کے قدردان ہوں نہ بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کرنے والے تو اس معرکہ کا انجام پہلے سے شکست کی صورت میں طے ہے۔

لہٰذا معقولیت اور عقل عام (COMMON SENCE) بھی یہی تقاضا کرے گی کہ دین کے دفاع اور اسلام کے نفاذ کیلئے حقیقی صالح قیادت کی فراہمی کی ذمہ داری اولاً تو ان علمائے حق کی ہے جو دین کا پختہ علم بھی رکھتے ہوں اور عمل کے میدان میں دور حاضر کے علوم پر بھی گہری نظر رکھتے ہوئے رہنمائی کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں ثانیاً ان ''تربیت یافتہ'' خدا شناسی اور معرفت ربانی کے چشموں سے آشنا اور سنت رسول ﷺ پر ہر طرح سے عامل بزرگوں اور ان کے متوسلین کے سر پر آن پڑی ہے اس وقت ہمارے پیش نظر دوسرا طبقہ ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور بقول علامہ اقبال ؎

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیریؓ
کہ رسمِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

اور بقول شاعر کہ ؎

لا کھینچ کے چوک میں تسبیح و مصلّا

کچھ دن کے لئے طرز عبادت کو بدل ڈال

یہ پکار چند سال پہلے تو علمی اور دلائل کے زور پر منوانے والی بات تھی مگر جامعہ حفصہؓ اسلام آباد کے واقعہ کے بعد اب ''نوشتہ دیوار'' کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔

جامعہ حفصہؓ کے کار پردازان غازی برادران (رحمۃ اللہ علیہ وسلمہ اللہ تعالیٰ) سے علمائے کرام مفتیان عظام، اہل دل اور اہل تصوف سب نے ایک ہی بات کہی کہ مطالبات صحیح ہیں مگر طریق کار صحیح نہیں ہے اب ہمارے جیسے عام مسلمان سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر

☆ سیاسی جماعتوں کا طریق کار اور اسلام کے نفاذ کی کوشش کوئی خیر و برکت والا کام نہیں اور گذشتہ 60 سال سے نتیجہ خیز نہیں ہو سکا۔

☆ احتجاجی سیاست یعنی پر امن مظاہرے اور حکومت سے خالص دینی مطالبات پر کشمکش بھی مطلوبہ معیاری طریق نہیں۔

☆ جہادی قوتیں اور بزور شمشیر میدان عمل میں مصروف لوگ بھی راہ حق سے ذرا ایک طرف کو ہو گئے ہیں۔

☆ خود کش حملے کرنے والے بھی صحیح راستے پر نہیں ہیں اور انہیں اسلام کی حقیقت اور سنت رسول ﷺ کا مدعا سمجھنے میں سہو ہوا ہے۔

☆ جامعہ حفصہؓ والوں کا طریق کار بھی بوجوہ علمائے اسلام کے نزدیک قبول عام نہیں کر سکا تو پھر ______ اسلام کے نفاذ اور اجتماعی اور حکومتی سطح پر اسلامی شعائر اور اسلامی احکام پر عمل درآمد موثر بنانے اور روبعمل لانے کا خیر و برکت والا طریق کار کونسا ہے؟

یہ سوال مسلمانوں کے ہر مسلک کے علمائے کرام سے بھی ہے اور اہل دل سے بھی بالخصوص اہل تصوف سے اس لئے کہ ان کے پاس پشت ہا پشت سے تربیت یافتہ، خدا شناس للٰہیت اور خلوص و اخلاص کے پیکر، اسلاف کے نمونہ اور بقیۃ السلف قائدین، خلفائے عظام اور ان کے زیر اثر اور زیر تربیت ہزاروں ایسے پروانے ہیں جو شمع رسالت ﷺ پر اپنے آپ کو قربان کر دینے کیلئے منتظر ہیں۔ راقم الحروف کو یہ خدشہ ہے کہ جس دروازے کو ہم کھٹکھٹا رہے ہیں شاید وہاں سے یہ جواب ملے کہ ہم سے ملت کے بہی خواہوں اور دردمندوں نے

راستہ دکھانے اور رہنمائی کرنے کی خواہش کا اظہار ہی کب کیا ہے۔ واللہ اعلم

حکمت بالغہ کے اس شمارے میں ہم مخدومی محترم عبدالرحیم نقشبندی مدظلہ کی فرمائش پر نقشبندی اجتماع کا اطلاع نامہ اس امید پر شائع کر رہے ہیں کہ شاید ہمارے ملک کے میدان تصوف کے اعاظم رجال حالات کی نزاکت، امت مسلمہ کی زبوں حالی اور دین اسلام کی غریب الوطنی کی دلدوز تصویر کے تناظر میں جوانان ملت اسلامیہ کی رہنمائی اور دست گیری کے لئے سر جوڑ کر بیٹھیں اور مجدّ دی سلسلہ کے یہ بزرگ پندرہویں صدی (1401ھ کے بعد) کے مجدد اعظم نہ سہی پاکستان کے حالات کے تناظر میں کسی چھوٹے مجدّ د کا سراغ لگانے میں کامیاب ہوسکیں جو یہاں اسلام کے نفاذ کے حوالے سے کسی پیش رفت کی سعی کر سکے۔ وما ذالك على الله بعزیز ۔ بقول فیض! ؎

چشمِ نم ، جانِ شوریدہ کافی نہیں
تہمتِ عشق پوشیدہ کافی نہیں
آج بازار میں پابجولاں چلو

دست افشاں چلو ، مست و رقصاں چلو
خاک برسر چلو ، خوں بداماں چلو
راہ تکتا ہے سب شہرِ جاناں چلو

حاکمِ شہر بھی ، مجمعِ عام بھی
تیرِ الزام بھی ، سنگِ دشنام بھی
صبحِ ناشاد بھی ، روزِ ناکام بھی
ان کا دم ساز اپنے سوا کون ہے
شہرِ جاناں میں اب با صفا کون ہے

دستِ قاتل کے شایاں رہا کون ہے

رخت دل باندھ لو! دل فگارو چلو
ہمیں قتل ہو آئیں! یارو چلو

اس مبارک موقع پر علامہ اقبال کے چند اشعار بھی ہدیہ اہل دل ہیں اس لئے کہ علامہ اقبال نے امت مسلمہ کی قیادت کیلئے جو معیار مطلوب ان اشعار میں دیا ہے عام مسلمانوں کے سواد اعظم کے نزدیک صرف اور صرف یہی اہل دل اور اہل تصوف ہی اس معیار پر پورے اترتے ہیں۔

سبق پڑھ پھر صداقت کا شجاعت کا عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا
چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نابے
دل گرمے، نگاہِ پاک بینے، جانِ بیتابے
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
عطا مومن کو پھر درگاہ حق سے ہونے والا ہے
شکوہِ ترکمانی ذہن ہندی نطق اعرابی
بیا تا کار ایں امت بسازیم
قمار زندگی مردانہ بازیم
چناں نالیم اندر مسجد شہر
دل در سینہ صوفی گدازیم

ــــــــــ ذرا سے لفظی تصرف کے ساتھ

دعااوراس کے عملی تقاضے

محمد رشید عمر

جب حالات ناسازگار ہوں افکار پراگندہ اور دل پریشان ہوتو ہاتھ بے اختیار اللہ کے حضور دعا کے لئے اٹھ جاتے ہیں۔ دعا وہ عمل ہے جو اس بات کا مظہر ہے کہ وہ فرد یا قوم اپنے آپ کو بدلنا چاہتے ہیں لیکن بذات خود عاجز ہیں کہ وہ تبدیلی کا پہیہ پھیر سکیں یا حالات میں انقلاب برپا کردیں وہ اللہ کی تائید ونصرت کے محتاج ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اسی لئے مختلف مواقع یا حالات میں اللہ سے دعا مانگنا سکھایا ہے۔ آپ انسانیت کے حکیم کامل ہیں آپؐ کی سکھائی ہوئی دعائیں کامیابی حاصل کرنے کے وہ نسخے ہیں جو آج بھی اسی طرح کارگر ہیں جس طرح وہ اس وقت تھے جب آپؐ نے سکھلائے تھے۔ خالق کائنات نے اپنے کلام پاک میں خود بندوں کو اس عمل کی تعلیم دی ہے۔ دعا وہ عمل ہے جسے عبادت کا مغز کہا گیا ہے۔ یعنی یہ بندگی کا جوہر ہے۔ ذات باری تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کرنے کا ذریعہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اجیب دعوۃ الداع اذا دعانِ (بقرۃ۔186)

ترجمہ: ’’جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں‘‘

ہمارے لئے یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی ہر دعا کو شرف قبولیت بخشتے ہیں قبولیت کے تین درجے ہیں پہلا درجہ یہ ہے کہ جیسے دعا کی گئی اللہ تعالیٰ نے اس کے مطابق کردیا۔ دوسرے درجہ میں قبولیت یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ مناسب موقع پر عطا کردیتے ہیں۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ بندہ اس بات سے عاجز ہے کہ وہ جان سکے کہ جو چیز وہ اللہ سے طلب کررہا ہے وہ اس کے

لئے واقعی فائدے مند ہے یا نقصان دہ ہے تو دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نقصان سے محفوظ رکھتے ہیں اور دعا کا اجر آخرت کے لئے محفوظ فرما لیتے ہیں۔ قیامت کے دن بندہ جب اپنی ان دعاؤں کا اجر وثواب حاصل کرلے گا تو کہے گا کہ کاش دنیا میں اس کی کوئی دعا قبول ہی نہ ہوئی ہوتی۔ جو دعا قبول ہوتی ہے اس کا ظہور کیسے ہوتا ہے؟ اس بارے میں جو اللہ تعالیٰ کی سنت ہے وہ یہ ہے کہ بندہ جب اللہ سے دعا مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جناب سے اس کے لئے اذن قبولیت جاری ہوجاتا ہے تو اسباب خود بخود اس کے موافق ہوجاتے ہیں اور بندے نے جیسے دعا مانگی تھی اللہ تعالیٰ نے معاملات اسی طرح کردیئے۔ دوسرا طریق کیا ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کے لئے ان اسباب کو آسان فرمادیا جن کو اختیار کرکے بندہ اپنے مطلوب دعا کو پالیتا ہے۔ ہر دو حالتوں میں اسباب ہیں جو بروئے کار آتے ہیں اور حالات میں تبدیلی آجاتی ہے، وہ اسباب کیا ہیں اور کیسے بروئے کار آتے ہیں متذکرہ بالا آیت کا اگلا حصہ ملاحظہ کیجئے۔

فلیستجیبوا لی ولیؤ منوا بی لعلھم یرشدون (بقرہ186)

ترجمہ ''ان کو چاہئے کہ میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ نیک رستہ پائیں''

اللہ کی اطاعت اختیار کی جائے اور یقین کامل رکھا جائے کہ جس کی چاکری کا جواء اپنے گلے میں ڈال لیا ہے وہ ہماری ہر ضرورت کو پورا فرمائے گا۔ اس تمہید کے بعد درج ذیل دعا کے لئے اللہ کے حضور ہاتھ اٹھایئے۔

اللھم الف بین قلوبنا واصلح ذات بیننا

واھدنا سبل السلام ونجنا من الظلمٰت الی النور

وجنبنا من الفواحش ماظھر منھا وما بطن

وبارك لنا فی اسماعنا وابصارنا وقلوبنا وازواجنا وذریٰتنا

وتب علینا انك انت التواب الرحیم

ترجمہ: ''اے اللہ ہمارے دلوں میں الفت ڈال دے اور حالات کی اصلاح فرما دے ہمیں سلامتی کے راستے دکھا دے اور اندھیروں سے نجات دے کر روشنی

میں لے آ چھپی اور ظاہر بے حیائیوں سے بچالے۔اور ہمارے کانوں،کانوں،
آنکھوں اور دلوں میں برکت ڈال دے اور ہماری بیویوں اور اولادوں میں بھی
اور ہماری توبہ قبول فرما تو بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے''۔

یہ اس دعا کا پہلا آدھا حصہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو سکھائی تھی اس کے مندرجات پر غور کیجئے اور اپنے قومی اور ملی حالات پر غور کیجئے آج ہم اس دعا کے اس قدر محتاج ہیں کہ اس کا ایک ایک لفظ بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت حاصل کرے تو ہماری حالت میں سدھار آ سکتا ہے لیکن اس کے تقاضے کیا ہیں۔اس کے لئے کونسے اسباب بروئے کار آئیں گے تو اس دعا کے اجزا قبولیت کا شرف حاصل کر سکتے ہیں۔

پہلے جملے میں اللہ تعالی سے دعا ہے کہ''اے باری تعالی ہمارے دلوں میں الفت ومحبت ڈال دے اور ہمارے حالات کی اصلاح فرمادے''الفت ومحبت ایسا احسان عظیم ہے جو صرف اللہ کی ذات بابرکات کا تحفہ ہے اپنے بندوں کے لئے،کسی کے بس کی بات نہیں کہ وہ بندوں کے دلوں کو جوڑ سکے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

هوالذی ایدك بنصره وبالمؤمنين O والف بين قلوبهم لو
انفقت ما فی الارض جميعا مآالفت بين قلوبهم ولكن الله
الف بينهم انه عزيز حكيم O (سورۃ انفال (63-62)

ترجمہ: ''وہی تو ہے جس نے تمہیں اپنی مدد اور مسلمانوں کی جمعیت سے تقویت بخشی اور ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی ہے اور اگر تم دینا بھر کی دولت خرچ کرتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے مگر اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی بیشک وہ زبردست حکمت والا ہے''۔

سورۃ ال عمران کی آیت 103 میں فرمایا کہ''میرے احسان عظیم کو یاد کرو کہ میں نے تمہاری دشمنیوں اور عداوتوں کو الفت ومحبت میں بدل کر بھائی بھائی بنادیا ہے اور تمہیں جہنم کی آگ کا ایندھن بننے سے بچالیا''۔لیکن تمہارے کرنے کے کام کیا ہیں۔اس کو آیت 102 میں واضح فرمادیا کہ تمہیں زندگی کی آخری سانس تک ہماری فرمانبرداری کرنا ہوگی۔ہماری رسی کو یعنی ہماری

کتاب کو تفرقے کا شکار ہوئے بغیر تھامنا ہوگا یہ آیت 103 کا ابتدائی مضمون ہے اگلی آیت 104 میں فرمایا کہ تمہیں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے شعبے قائم کرنا ہونگے اور اس سے پہلے خیر کی دعوت کا بندوبست کرنا ہوگا۔ اللہ کی جناب سے الفت ومحبت کے حصول کے لئے جو سرمایہ مطلوب ہے وہ ہمیں بتایا کہ یہ پونجی تیار کرو پھر تمہارے دل آپس میں جڑ سکتے ہیں بغیر اللہ کا تقویٰ، اجماع علی الکتاب اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کئے دلوں کے جوڑنے کا مصالحہ عطا نہیں ہوگا۔

معاملات کی اصلاح کے لئے سورۃ احزاب کی آیات 71-70 میں اللہ کے تقوٰی کے ساتھ زبان کے صحیح استعمال کی تلقین کی (ذرا اپنے حالات پر غور کیجئے ہم نے اپنی پالیسیوں کے مطابق لوگوں کی ذہن سازی کے لئے پروپیگنڈہ کرنے اور ENTERTAINMENT کے نام پر لوگوں کو جھوٹ سننے کا عادی بنانے کے لئے باقاعدہ وزارتیں بنائی ہوئی ہیں)۔ سورۃ انفال کی پہلی آیت مبارکہ میں باہمی اصلاح کا حکم دیا گیا ہے ساتھ ہی واضح فرمایا کہ مال غنیمت پر اللہ اور اسکے رسول کا حق ہے اس سے ہمیں جو رہنمائی ملتی ہے وہ یہ ہے کہ مالی معاملات میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے تو باہمی اصلاح ہوگی اگر ہم نے مفادات اور وابستگیوں قبلہ اور سرکاری بیت المال کو شیر مادر سمجھ لیا تو اصلاح باہمی ممکن نہ ہوگی۔

دعا کے اگلے حصے پر غور کیجئے ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں باری تعالیٰ ہمیں سلامتی کے راستے پر چلا اور اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آ۔ اس کے لئے اسباب تلاش کرنے کے لئے قرآن مجید سے رجوع کرتے ہیں تو سورۃ مائدہ کی آیت 16-15 سامنے آتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قدجاء کم من اللہ نور و کتاب مبین یهدی به اللہ من اتبع
رضوانه سبل السلام ویخرجهم من الظلمٰت الی النور باذنہٖ
و یهدیهم الی صراط مستقیم۔

ترجمہ: ''بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے جس سے خدا اپنی رضا چاہنے والوں کو سلامتی کے راستے دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔ اور ان کو سیدھے رستے

پر چلاتا ہے‘‘

یہ وہ کھلی کتاب ہے جس کے لئے دعا کی جاتی ہے کہ اے باری تعالی اس کو ہمارا امام اور نور بنادے، اپنے دورنزول میں اس کتاب کو امام بنانے والوں نے عیسائیت، یہودیت اور کفروشر کی طغیانی کا مقابلہ کیا تھا۔ اوران کوشکست دے کر اللہ کے نظام کو غالب کیا تھا۔ آج دنیا گلوبل ویلیج بن چکی ہے جس میں عیسائیت یہودیت اور مشرکین کی اجارہ داری ہے۔ اس اجارہ داری کو بھی صرف اسی وقت ختم کیا جاسکتا ہے۔ جب قرآن مجید کو اپنا امام بنالیں۔ یہ دور تہذیبوں کی جنگ کا ہے۔ٹکراؤ نظریات کا ہے اس دور کے فاتح وہی ہوسکتے ہیں۔ جو مغلوب القرآن ہوں وہ لوگ نہیں جو صرف قرآن کو مانتے ہیں بلکہ وہ لوگ جن کو قرآن نے اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔ جو قرآن مجید کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ صرف قرآن اور صاحب قرآن کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جنہوں نے قرآن مجید کے حقوق کو ادا کرنا سیکھا ہے۔ جو زیر بار حقوق قرآن ہیں نہ کہ زیر بار شخصیات اور تعصّبات۔ اس لئے کہ خالق کائنات نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ وہ صرف اور صرف اس کتاب کے ذریعے اپنی رضا چاہنے والوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔ اور اپنی سیدھی اور سلامتی کی راہ پر چلاتا ہے۔ اس کو اختیار کئے بغیر سلامتی کی راہ مل نہیں سکتی۔

آگے فرمایا ’’اے اللہ ہمیں پوشیدہ اور ظاہرہ بے حیائیوں سے بچالے۔‘‘

اللہ تعالی نے اپنے کلام میں اہل ایمان کا نمایاں وصف ہی یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ لوگ من حیث المجموعۃ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائیوں سے بچنے والے ہوتے ہیں (نجم + الشوریٰ) اللہ تعالی کے ذاتی شعبہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا مرکزی ایجنڈا بے حیائی اور فحاشی سے روکنے کا ہے۔ (نحل 90) سورۃ انعام میں جہاں اصولی احکام حرمت کا ایک پیکج دیا ہے۔ پہلی آیت مبارکہ میں فرمایا۔

ولاتقربوالفواحش ماظهر منهاوما بطن (انعام 151)

ترجمہ: ’’اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کے پاس نہ پھٹکنا‘‘۔

شیطنت نے اپنے تسلط کیلئے جو کامیاب حکمت عملی اپنائی ہے۔ وہ فتنہ نساء ہے جس میں لوگوں کو ملوث کرلیتی ہے۔ گانے بجانے اور غیر محرم آوازوں سے منافقت پیدا ہوتی ہے۔ اختلاط

مردوزن غیرت وحمیت کوختم کر دیتا ہے۔جھوٹ پسندی (ڈراموں اور فلموں کی شکل میں) حرام خوری اور حرام کاری کوجنم دیتا ہے۔انسان انسانیت کے درجہ سے نکل کرحیوانیت اورشیطانیت کے درجے پرآجاتا ہے۔شیاطین انس شیاطین جن سے زیادہ خطرناک مہلک ثابت ہوتے ہیں شیاطین جن کواللہ نے یہ اختیارنہیں دیا کہ وہ کسی کوزبردستی بازو سے پکڑ کرراہ راست سے ہٹادیں جبکہ شیاطین انس نہ صرف بازومروڑتے ہیں بلکہ محاصرہ کر کے جان سے ماردینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔اس لئے فرمایا کہ بے حیائیوں کے مراکز اورسرچشموں کے قریب بھی نہ پھٹکو۔آج کے دور میں جدیدٹیکنالوجی کی آڑ میں بے حیائیاں ہمارے گھر میں اندرتک گھس چکی ہیں۔معاشرہ کا ہرفرد (الا ماشاءاللہ) چھوٹا، بڑا،علم والا، بے علم،اس گندگی سے اپنا حصہ وصول کررہا ہے۔جبکہ حکم خداوندی ہے کہ اس کے قریب بھی نہ پھٹکا جائے۔دعا کے شرف قبولیت اور بے حیائی کے مضر اثرات سے بچنے کے لئے ہمیں اس حکم خداوندی کے سامنے سرجھکانا ہوگا۔

دعا کے اگلے حصہ میں ہم اللہ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہماری سماعت، بصارت اوردل کے اعمال میں برکت ڈال دے۔انسانی دل،سماعت اور بصارت کے بارے میں قرآن وحدیث میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔لیکن ہمارے سامنے دعا کے نقطہ نظر سے برکت کے اسباب جاننا مطلوب ہیں فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

عن ابی هریره قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان
الله قال من عادی لی ولیاً فقد اذنتهٗ بالحرب وماتقرب الی
عبدی بشیء احب مما افترضت علیه ولایزال عبدی یتقرب
الی بالنوافل حتی احبه فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع
به وبصره الذی یبصربه ویده التی یبطش بهاورجله التی یمشی
بها۔ ولئن سألنی لأُعطینه ولئن استعاذنی لا عیذنه۔

ترجمہ: ’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کہتے ہیں کہ جس نے میرے ولی سے دشمنی کی اس کے خلاف میرا اعلان جنگ ہے میرے بندے کا میرے فرائض کی ادائیگی کے ذریعے

قرب حاصل کرنا مجھے محبوب تر ہے۔اور نوافل کی ادائیگی کے ذریعے میرا
بندہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا
ہوں جب محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا
ہے آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ
پکڑتا ہوں اور پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔اگر سوال کرے تو
اسے ضرور عطا کرتا ہوں پناہ مانگے تو ضرور پناہ دیتا ہوں''

اللہ تعالی جس بندے کے کان، آنکھیں، ہاتھ اور پاؤں بن جائیں اس کی قوتِ کار کا اندازہ کیا جاسکتا ہے لیکن یہ صرف اس وقت ممکن ہے کہ جب ہم فرائض کو ادا کریں اور نوافل کا عادی بن جائیں۔آج باطل کی چالوں کو سمجھنے کے لئے بڑی وسیع اور ہوشیار نظری کی ضرورت ہے۔پورے عالم اسلام کے خلاف باطل ہر طرف سے حملہ آور ہے۔ہمارے اپنے ہمیں خون کا غسل دے رہے ہیں یہ عمل ہماری نظروں کے سامنے جاری ہے۔اور ہماری حالت یہ ہے کہ'' ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم'' بزدلی ہے یا کورنظری کہ ہم ششدر وحیران اور مرعوب ہیں مرعوبیت کی کیفیت جو اہل باطل کی ہونا چاہئے تھی اہل اسلام اس کا شکار ہیں۔ایک قدم نہیں اٹھا پا رہے۔یہ صرف اس لئے کہ تعلق مع اللہ میں وہ گہرائی اور مضبوطی نہیں ہے۔ایمان کی تازگی جو انسان کو نشہ سے سرشار کردے اور باطل کے مقابلے میں رقص براندام کردے حاصل نہیں ہے۔ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ہم باطل کی چالوں کو ان کی چال چلنے سے پہلے سمجھ کر اس کے خلاف اقدام کرنے والے ہوتے۔باطل ہمارے سامنے عاجز اور بے بس ہوتا لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ وہ چال چل چکے ہوتے ہیں اور ہم ان کا شکار ہو کر بھی سمجھنے اور اقدام کرنے سے قاصر ہیں۔اس کا مقابلہ تو دور کی بات ہے، وجہ کیا ہے؟ وجہ صرف یہی ہے کہ ہم سماعت وبصارت میں برکت کی دعا مانگتے ہیں اور اس میں برکت کے اسباب اختیار نہیں کرتے۔اللہ تعالے نے اصلاح واحوال کے لئے کائنات میں غور وفکر کی دعوت دی ہے۔ہم اپنے حالات میں غور وفکر کے لئے صحیح وقت کا تعین نہیں کر پاتے۔آگے فرمایا! ہماری بیویوں اور اولادوں میں برکت دے۔

قرآن مجید میں عباد الرحمٰن کی دعا نقل کی گئی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ!

ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما

ترجمہ ''اے ہمارے رب ہمیں بیویوں اور اولادوں کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور پرہیزگاروں کا پیشوا بنادے''۔

آنکھوں کی ٹھنڈک صرف اس سے حاصل نہیں ہوگی کہ ہم دنیا جہاں کی آسائشیں ان کے آگے اکٹھا کردیں۔ اور وہ ہمیں خوش وخرم نظر آئیں۔ ہر بچے کو الگ کمرہ اور جدید الیکٹرانک سہولتیں فراہم کردیں اور اس بات سے غافل ہوجائیں کہ ہمارا نور نظر کیا گل کھلا رہا ہے۔ آنکھوں کی ٹھنڈک اس وقت حاصل ہوگی کہ جب وہ جہنم کی آگ سے بچ کر ہمارے پیچھے پیچھے جنت الفردوس میں داخل ہورہے ہوں گے۔ وہ اسی صورت میں ممکن ہوگا۔ جب ہم اس دنیا میں

قوا انفسکم واھلیکم نارا۔

ترجمہ: ''بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے''۔

پر عمل پیرا ہوں گے اور ہدایت خداوندی پر چلنے کے لئے ان کی امامت کریں گے۔ ایسا نظام تعلیم وتربیت فراہم کریں کہ وہ باطل کے مقابلے کے مشن میں ہمارے دست وبازو بن جائیں۔ آخری حصے میں ہم دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ ہماری توبہ قبول فرما تو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

جس طرح لوط علیہ السلام نے قوم کو جنسی بے راہ روی سے بچنے کے لئے سمجھایا۔ شعیب علیہ السلام نے مارکیٹ اور منڈیوں کی اصلاح کیلئے وعظ کہے اسی طرح نوح علیہ السلام نے ان سے پہلے اللہ سے توبہ کرنے کا طریقہ بتایا۔ ان کا قول اللہ نے سورۃ نوح میں درج فرمایا ہے۔

فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفارا O یرسل السماء علیکم
مدرارا ویمددکم باموالٍ وبنین ویجعل لکم جنٰت ویجعل
لکم انھارا O (نوح۔10,11,12)

ترجمہ: ''اور میں نے کہا کہ اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے وہ تم پر آسمان سے لگاتار بارش برسائے گا اور مال بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا تمہیں باغ عطا فرمائے گا اور ان میں تمہارے لئے نہریں بہادے گا''

نبی کریم ﷺ نے استغفار کرنا سکھایا ہے۔ اللہ تعالی نے توبۃ النصوح کا حکم دیا ہے۔ توبہ کے آداب میں ہے کہ انسان اپنی کمی اور کوتاہی کا اعتراف کرے اور ندامت اور شرمندگی

کا احساس شدید ہو اور آئندہ گناہوں سے باز رہنے کا عزم مصمم کرے۔حضرات یہاں تک دعا اور اسکے بروئے کار آنے والے اسباب پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اگر ہم ان اسباب کو اختیار کرنے میں کوتاہی برتتے ہیں تو اصل میں ہم خود دعا کی قبولیت کی چاہت یا اپنی حالت بدلنے کے ارادے میں سنجیدہ نہیں ہیں۔اس لئے کہ فرمان خداوندی ہے۔

الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ۔ (فاطر 10)

ترجمہ: ''اس کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل اس کو بلند کرتے ہیں''

دعاؤں کی قبولیت کے اذن کیلئے متعلقہ اعمال صالح ہی وہ کنجی ہیں جن سے یہ دروازہ کھلتا ہے۔سورۃ والعصر میں خسارہ سے بچنے کا جو چار نکاتی لائحہ عمل ہے۔اس میں دوسرا نکتہ عمل صالح ہی ہے۔زوال سے عروج کی داستان اعمال صالحہ کی محنت سے ہی رقم ہوتی ہے۔

؎ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے ناری ہے

ہماری قوم عمل صالح سے اس قدر دور ہو چکی ہے کہ معاشرہ کا ہر طبقہ بغیر صحیح رخ پر محنت کے نتائج کے حصول میں کوشاں نظر آتا ہے طالب علم ہے تو اس نے کامیابی کے لئے آسان حل پرچے رکھے ہوئے ہیں اہل مدارس کی محنت کا ہدف صرف سالانہ ختم قرآن وحدیث کی محافل کا انعقاد بن کے رہ گیا ہے۔تاجر اور کاروباری حضرات تعویذوں اور برکت کی الواح قرآنیہ سے راتوں رات امیر بننے کے چکر میں ہیں۔سیاسی جماعتیں اپنی اصل ذمہ داریاں ادا کئے بغیر بیک ڈور چینلز سے مسند اقتدار پر پہنچنا چاہتی ہیں۔دینی جماعتیں دین کے نفاذ کے لئے کسی شارٹ کٹ راستے کی تلاش میں منہاج نبوت کو پس پشت ڈالے ہوئے ہیں لیکن خالق کائنات کا اٹل فیصلہ ہے

ان اللہ لایغیر مابقومٍ حتیٰ یغیروا ما بانفسھم (رعد 11)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالی کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت کو خود نہ بدلے''۔

؎ خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اعمال صالحہ کی محنت ہی سے ہم اپنی تقدیر بدل سکتے ہیں۔

تخلیق اور ارتقاء

ساجد محمود مسلم

دین اسلام ایک کامل ضابطہء حیات ہے جو تمام انسانی حاجات کا مکمل احاطہ کرتے ہوئے ان کی فطری تسکین کا سامان بہم پہنچا تا ہے۔کائنات، خالق کائنات اور خود انسان کے مابین کیا ربط و تعلق ہے؟ یہ وہ سوال ہے جو ہر دور میں سب عقیل و فہیم انسانوں کے ذہن میں ابھرتا رہا ہے۔خالق کائنات اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے خصوصی برگزیدہ بندوں انبیاء اور رسل علیہم السلام کے ذریعے ہر دور کے انسانوں کی رشد وہدایت کا سامان فراہم کیا۔ختم الرسل امام الانبیاء محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی قرآن وحدیث کی صورت میں کامل ہدایت قیامت تک کے انسانوں کو عطا فرمادی ہے جس میں مذکورہ سوال اور اس کے تمام مضمنات کا نہایت معقول اور احسن انداز میں مسکن ومسکت جواب مرحمت فرمادیا گیا ہے۔

خالق کائنات کا تصور اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔اسلام کی کل عمارت اسی بنیاد پر ایستادہ ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: الله خالق کل شیء وھو علیٰ کل شیء وکیلO

(الزمر 62)

''اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔''

تمام کائنات کا واحد خالق اللہ ہے ۔جمادات ،نبادات،حیوانات،انسان،شمس وقمر،نجوم وکواکب،زمان ومکان اور اعراض وجواہر سب کا خالق اللہ ہے ۔محض عدم سے مادہ کی تکوین وتخلیق اسی رب قدیر کے امر کن سے ہوئی۔ارشاد ربانی ہے:

الحمدلله فاطر السمٰوٰت والارض O (الفاطر:1)

ترجمہ: ''ہر تعریف کا مستحق اللہ ہے جو آسمانوں اور زمین کو پہلی بار عدم سے وجود میں لایا۔''

اللہ فاطر السماوات والارض ہی نہیں بلکہ رب العالمین بھی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:۔

الاله الخلق والامرط تبارك الله رب العٰلمين O (الاعراف 54)

ترجمہ: ''یادرکھو خلق اور امر دونوں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ سب جہانوں کا رب اللہ تعالی بہت ہی برکت والا ہے''۔

لفظ ''رب'' اصلاً مصدر ہے اور استعارۃً بمعنی فاعل استعمال ہوتا ہے ۔لغت قرآن کے ماہر امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں!

''الرب کے اصل معنی تربیت کرنا یعنی کسی چیز کو تدریجاً نشو ونما دے کر حد کمال تک پہنچانا کے ہیں'' (1)

سنت اللہ

اللہ تعالی جب کسی شے کو پیدا فرمادیتے ہیں تو اس کا عام قاعدہ یہی ہے کہ وہ اولاً اسے انتہائی سادہ اور معمولی حالت میں پیدا فرماتے ہیں اور پھر نشو ونما کے ذریعے رفتہ رفتہ اسے اوج کمال تک پہنچادیتے ہیں۔ اللہ تعالی کی اسی صفت ربوبیت کے متعلق حکیم الاسلام حجۃ اللہ علی الارض امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

''سلف صالحین اور جمہور عقلاء کہتے ہیں کہ اجسام ایک حالت سے دوسری حالت میں منقلب ہوتے رہتے ہیں وہ فلاسفہ واطباء سے بھی یہی نقل کرتے ہیں اور سلف صالحین، جمیع فقہاء اور جمہور کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالی اپنی مخلوقات کو جس کا حدوث ظاہر ہے، تبدیل کرتا رہتا ہے اور ایک جسم سے دوسرے جسم کی صورت اختیار کرتا رہتا ہے ــــــــــ اللہ تعالی منی کو رحم میں خون بستہ کی صورت میں اور اس کے بعد لوتھڑے کی صورت میں تبدیل کرتا ہے درخت سے رطوبتیں خارج کر کے ہوا اور پانی وغیرہ مواد کو ملا کر اپنی مشیت وقدرت سے میوہ پیدا

کرتا ہے۔ بیج کے ایک دانے کو چیر کر اس سے مواد نکالتا ہے۔ جن سے خوشہ اور درخت وغیرہ پیدا کرتا ہے۔ جب کبھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی چیز کو پیدا کرتا ہے تو وہ اسی طرح پیدا کرتا ہے۔ آدم علیہ السلام کو کیچڑ سے پیدا کیا، کیچڑ کی اصلیت کو گوشت واستخوان وغیرہ اجزائے بدن کی صورت میں تبدیل کر دیا لوتھڑے کی صورت بدل کر ہڈی اور اس کے علاوہ دیگر اجزائے بدن بنائے جاتے ہیں۔'' (2)

استحالہ وارتقاء

فطرت الٰہیہ کے تحت ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیلی کا یہ عمل استحالہ (DEVELOPMENT) کہلاتا ہے مختلف مادی اشیاء میں استحالہ کی رفتار وشرح مختلف ہوتی ہے کم وبیش تمام مادی اشیاء مثلاً نباتات، حیوانات حتیٰ کہ جمادات تک میں استحالہ ہوتا ہے اس استحالہ کے لئے عصر حاضر میں ایک متبادل لفظ کثرت سے استعمال ہو رہا ہے وہ لفظ ہے: ''ارتقاء'' ارتقاء کا لغوی معنی ادنیٰ حالت سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرنا ہے لفظ ارتقاء دراصل EVOLUTION کے مترادف کے طور پر مستعمل ہے۔ اپنے معنی ومفہوم کے اعتبار سے استحالہ وارتقاء کے وقوع میں کسی صاحب علم اور عقیل وفہیم کو تردد نہیں ہوسکتا۔ استحالہ وارتقاء ''خلق'' کی ربانی ترتیب وتربیت ہے۔ لہٰذا تخلیق اور ارتقاء جداجدا اشیاء نہیں بلکہ تخلیق فعل الٰہی ہے اور ''ارتقاء'' اس فعل کا عملی مظہر۔ ارتقاء کل کائنات میں لاگو اصول فطرت الٰہیہ ہے۔

تاریخ کے مختلف ادوار میں بہت سے مفکرین وفلاسفہ نے کائنات بالخصوص زمین اور اس کے نقوش (FEATURES) نیز نباتات وحیوانات کے ارتقاء کے متعلق اپنے مشاہدات وافکار پیش کئے ہیں جو اپنے دور میں کافی اہم سمجھے جاتے رہے ہیں۔ لیکن کائنات کے متعلق انسانی مشاہدات وعلوم میں تیز رفتار ارتقاء کی وجہ سے وہ تصورات اپنی اہمیت کھو بیٹھتے ہیں۔ یہی معاملہ انیسویں صدی کے مشہور فلسفی اور نیچر پرست (NATURALIST) چارلس ڈارون کے تصور ارتقاء کے ساتھ بھی ہوا۔

چارلس ڈارون کا تصور ارتقاء

چارلس ڈارون نے اپنے وسیع مطالعہ اور فطری مشاہدات کی بنیاد پر جانداروں یعنی پودوں اور جانوروں میں ارتقاء کے عمل کے طریق کار کو نہایت ذہانت کے ساتھ مدلل انداز میں اپنی کتاب ''ابتدائے انواع بذریعہ فطری انتخاب'' (ORIGIN OF SPECIES BY MEANS OF NATURAL SELECTION) میں بیان کیا۔ 490 صفحات پر مشتمل یہ کتاب 1859ء میں شائع ہوئی اور اب تک دنیا کی بہت سی زبانوں میں اس کے تراجم چھپ چکے ہیں۔ اپنی کتاب کی بے پناہ مقبولیت سے متاثر ہو کر ڈارون نے انسانی ارتقاء کے متعلق اپنے تصورات کو ایک دوسری کتاب ''انسان کا تنزل'' (DESCENT OF MAN) میں یکجا کر کے شائع کر دیا۔

چارلس ڈارون نے اپنی پہلی تصنیف ''ابتدائے انواع'' میں جو تصور ارتقاء پیش کیا ہے اس کی اصل بنیاد تو فطری اصول ارتقاء ہے مگر اس نے اس تصنیف میں بہت سے صحیح اور بہت سے غلط تصورات کو خلط ملط کر دیا ہے۔ انہی غلط تصورات کی وجہ سے چارلس ڈارون کو اپنی زندگی میں ہی مقبولیت کے ساتھ ساتھ شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ ابتداءً چارلس ڈارون ایک رومن کیتھولک عیسائی تھا مگر کائنات کے وسیع مطالعہ کے بعد وہ عیسائیت اور اس کے شخصی خدا یعنی حضرت عیسی علیہ السلام کے خدا ہونے کے تصور و اعتقاد سے متنفر ہو گیا۔ چنانچہ چرچ کی طرف سے ملے ہوئے معتقدات کو اس نے جوانی ہی میں خیر باد کہہ دیا تھا اگرچہ وہ ایک ایسی ہستی کے وجود کا قائل رہا جس نے اتنی خوبصورت کائنات بنائی ہے تاہم وہ اپنا تعارف لاادریت کے قائل (AGONISTIC) کے طور پر کراتا تھا۔(3)

ڈارون نے نامیاتی ارتقاء کا جو تصور پیش کیا ہے اس کا لب لباب یہ ہے۔

> آج سے تقریباً چار ارب سال پہلے کرہ ارض پر موجود کسی جوہڑ یا سمندری گرم چشمے (GEYSER) میں ایک یک خلوی جاندار مختلف نامیاتی مرکبات کی مخصوص ترتیب سے اتفاقاً پیدا ہوا۔ تقسیم در تقسیم کے ذریعے یک خلوی جاندار کی افزائش نسل ہوتی رہی۔ طویل عرصے تک یونہی یک خلوی جاندار پیدا ہوتے رہے۔ پھر کسی سبب سے کچھ یک خلوی جاندار باہم جڑ کے ایک بستی (COLONY)

کی شکل میں رہنے لگے۔ رفتہ رفتہ یہ بستیاں (COLONIES) کثیر خلوی جاندار کی شکل اختیار کر گئیں۔ ان کثیر خلوی جانداروں میں طویل عرصہ افزائش ہوتی رہی اور یہ تدریجاً پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ غیر فقاریہ جانوروں (INVERTEBRATES) کے ایک گروہ کے جانداروں سے دوسرے گروہ کے جاندار وجود میں آتے گئے۔ آخر انہی غیر فقاریہ جانوروں کی کسی نوع یا انواع میں نشوو ارتقاء کے نتیجے میں ریڑھ کی ہڈی بننے لگی اور وہ ابتدائی فقاریہ یا نیم فقاریہ (HEMICHORATES) جانوروں کی صورت اختیار کر گئے۔ انہی نیم فقاریہ جانوروں میں سے بعض تبدیل ہو کر مچھلیاں بن گئے۔ بعض مچھلیوں میں کسی انجانے محرک کی وجہ سے خشکی کی طرف رغبت ہونے لگی۔ ان میں ایسے اعضاء بننے لگے جو خشکی کی زندگی کے لئے ضروری تھے۔ مثلاً خشکی پر سانس لینے والے پھیپھڑے اور جلد نیز چلنے کے لئے ٹانگیں وغیرہ نتیجتاً ایسے جانور ظہور پذیر ہوئے جو خشکی پر زندہ رہ سکتے ہیں اور پانی کے اندر بھی مثلاً مینڈک وغیرہ۔ انہی جل تھلیوں (AMPHIBIANS) میں سے بعض انواع پانی سے دور ہونے لگیں اور انہوں نے رفتہ رفتہ خشکی کو ہی اپنا مستقل مستقر بنالیا۔ یوں رینگنے والے جانور (REPTILES) مثلاً سانپ ، چھپکلی، مگرمچھ وغیرہ جانوروں کا زمین پر ظہور ہوا۔ بعض رینگنے والے جانوروں کے اگلے بازو پروں میں تبدیل ہونے لگے اور وہ کسی حاجت کے تحت اڑنے کی کوشش میں چھوٹی چھوٹی اڑانیں لینے لگے۔ ان کی اگلی نسلیں ایسے خواص کی حامل بننے لگیں کہ جو ہوا میں اڑنے کے لئے مدو معاون ہوں مثلاً کھوکھلی ہڈیاں، گرم خون (WARM BLOOD) اور جسم پر پروں کی کثرت وغیرہ۔ یہاں تک کہ اولین پرندے ظاہر ہوئے۔ جبکہ بعض دوسرے رینگنے والے جانوروں میں دودھ کے غدود بننا اور جسم پر بال اگنا شروع ہو گئے جس کے نتیجہ میں ان میں دودھ دینے والے جانور (MAMMALS) زمین پر ظاہر ہوئے۔ ان میں بھی ارتقاء کا عمل جاری رہا۔ ان میں سے بعض جانور سمندروں میں رہنے لگے اور

آہستہ آہستہ وہیل (WHALE) کی شکل اختیار کر گئے۔اور کچھ نے اندھی غاروں میں رہنا شروع کر دیا۔وہ رفتہ رفتہ بدل کر چمگادڑ (BATS) بن گئے ۔اسی طرح ممالیہ جانوروں میں سے ہی بے دم بندروں یعنی بوزنوں (APES) سے ملتے جلتے کسی دمدار جانور سے انسان اور بوزنے ارتقاء پذیر ہوئے ۔ بوزنوں میں دو پاؤں پر چلنے کی صلاحیت پیدا نہ ہوسکی مگر اولین وحشی انسان اس کوشش میں کامیاب ہو ہی گئے ۔ پہلے پہل انسان جانوروں کی طرح

آوازوں کے ذریعے پیغام رسانی کرتے تھے مگر رفتہ رفتہ اپنی ذہانت کی وجہ سے الفاظ بنانا سیکھ گئے تاآنکہ ترقی یافتہ انسانوں کا ظہور ہوا۔ڈارون کا یہ مخصوص مفروضہ ''ارتقاء اکبر'' (MACRO-EVOLUTION) کہلاتا ہے

یہ ہے ڈارون کا وہ تصور ارتقاء جس نے انیسویں صدی میں یکدم انتہائی تہلکہ مچایا تھا۔ دنیا کے بیشتر اہل مذہب نے اس تصور ارتقاء کو یکسر لغو اور باطل قرار دیا اور اس کے تمام جزئیات پر کڑی تنقید کی ۔خود ماہرین حیاتیات کی ایک بہت بڑی اکثریت نے ڈارون کے اس مخصوص نامیاتی ارتقاء کی سخت مخالفت کی اس وقت بھی اس مفروضہ ارتقاء اکبر کے حمایتیوں (EVOLUTIONISTS) اور مخالفین (ANTI-EVOLUTIONISTS) کے گروہوں کے مابین گرما گرم مباحث جاری رہیں۔ڈارون کے حمایتی ڈارون کے مفروضہ ارتقاء اکبر کی بھرپور تائید کرتے ہیں اور اپنی جانب سے اس کے دلائل پیش کرتے ہیں جبکہ اس کے مخالفین سرے سے ارتقاء کے ہی منکر ہوئے بیٹھے ہیں اور ڈارون کی ہر بات کو رد کرتے ہیں۔

دین اسلام ہمیں سکھاتا ہے کہ کسی کی موافقت یا مخالفت محض تعصب کی وجہ سے نہیں کرنی چاہئے بلکہ موافقت ومخالفت کا معیار حق وباطل ہونا چاہئے ۔ڈارون کے تصور ارتقاء میں حق وباطل کی تخلیط ہوچکی ہے۔جس کی وجہ سے اکثر علماء یا عوام مطلقاً ''ارتقا'' ہی کی نفی کر دیتے ہیں۔ حالانکہ علماء کا اصل منصب یہ ہے کہ وہ حق وباطل کی تفریق کریں اور حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کریں۔ مطلقاً ارتقا کی نفی اول تو خود فطرت الٰہیہ کے مسلمہ اصول ارتقا کی بھی نفی ہے۔ دوسرے اس سے غیر مسلم دنیا بالخصوص سائنسدان برادری تک یہی پیغام پہنچتا ہے کہ اسلام ایک ایسا

قدامت پسند اور رجعت پسند مذہب ہے کہ جس میں کسی نئی سائنسی سوچ اور تحقیق وایجاد کی کوئی گنجائش نہیں اور یہ کہ اسلام بھی مروجہ مسیحیت و یہودیت کی طرح جمود ورکود کا قائل ہے ۔ دیکھا جائے تو علماء ایک اعتبار سے اپنے اس طرز عمل میں معذور ہیں کیونکہ نہ تو انہوں نے خود براہ راست ڈارون کی اصل کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور نہ ہی جدید حیاتیات کا علم حاصل کیا ہے۔ایسے میں یہ ذمہ داری ان جدید تعلیم یافتہ بالخصوص جدید حیاتیات میں مہارت رکھنے والے افراد کے کندھوں پر آپڑتی ہے جو غلبہء اسلام کے متمنی ہیں اور کفر والحاد کو جڑ سے پھینکنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔

اس سے پہلے کہ ہم چارلس ڈارون کے مذکورہ تصور ارتقاء اکبر کا تفصیلی تجزیہ کریں، یہ دیکھنا ضروری ہے کہ خود ہمارا دین جانداروں کی تخلیق وارتقاء کے متعلق کیا ہدایات فراہم کرتا ہے۔

قرآنی تصور تخلیق حیات

جانداروں (نباتات وحیوانات) کی تخلیق کے متعلق ہدایت ربانی ہے کہ:

وجعلنا من المآء کل شیء حیطافلا یؤمنون O (الانبیاء30)

ترجمہ: ’’اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا یہ لوگ یقین کیوں نہیں کرتے‘‘

آج ہم جانتے ہیں کہ تمام جاندار خلیات (CELLS) سے بنے ہوئے ہیں۔ جبکہ خلیات کا اصل مادہ پروٹوپلازم (PROTOPLASM) ہے جس میں 80 تا 90 فیصد پانی ہوتا ہے، لہٰذا ہر جاندار کا جزو اعظم پانی ہے، پانی کے اس غلبہ کی وجہ سے جانداروں کو تغلیباً پانی کے بنے ہوئے قرار دیا گیا ہے۔ تقریباً اسی مفہوم سے ملتی جلتی آیت ایک دوسرے مقام پر ان الفاظ میں وارد ہوئی ہے۔

والله خلق کل دآبة من مآء فمنهم من یمشی علی بطنه
ومنهم من یمشی علی رجلین و منهم من یمشی علی اربع
یخلق الله مایشاء ان الله علی کل شیء قدیر O (النور45)

ترجمہ: ’’اور اللہ نے ہر چلنے پھرنے والے جانور کو پانی سے پیدا کیا ان میں سے کچھ وہ جانور ہیں جو پیٹ کے بل رینگتے ہوئے چلتے ہیں اور ان میں سے بعض جانور دو ٹانگوں پر چلتے ہیں اور انہی میں سے بعض جانور چار ٹانگوں پر چلتے

ہیں اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے بلاشبہ اللہ سب کچھ کرنے پر قدرت رکھتا ہے''۔

اس آیت مبارکہ سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے تمام جانوروں کو پانی میں پیدا کیا کسی بھی جانور کی ایمبر یولوجی (EMBRYOLOGY) یعنی نطفہ امشاج (ZYGOTE) بننے سے مکمل بالغ (ADULT) جانور بننے تک مراحل کا مطالعہ کرنے سے قرآن کے مذکورہ بالا بیان کی تصدیق ہوجاتی ہے۔ یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ ہر جانور تولید کے لئے پانی کا محتاج ہے۔ اب تک جانوروں کی تقریباً پندرہ لاکھ انواع (SPECIES) دریافت ہوچکی ہیں جن میں سے چودہ لاکھ کے لگ بھگ انواع حیوانات کا مسکن پانی (سمندر، دریا وغیرہ) ہے۔ان سب کی تولید (REPRODUCTION) براہ راست پانی میں ہوتی ہے۔ خشکی پر آباد انواع حیوانات کی تعداد محض پندرہ ہزار کے قریب ہے جن میں بعض حشرات، رینگنے والے جانور، پرندے اور ممالیہ جانور شامل ہیں۔ان سب کی افزائش کے لئے پانی بنیادی ضرورت کی حیثیت رکھتا ہے ان میں سے پیٹ کے بل رینگنے والے ریپٹائلز (REPTILES) دو ٹانگوں پر چلنے والے پرندے اور چار ٹانگوں پر چلنے والے ممالیہ جانوروں کو مجموعی طور پر ایمنی اوٹس (AMNIOTES) کا نام دیا جاتا ہےکیونکہ ان کے بیضے (EGG) یا رحم مادر (UTERUS) میں پرورش پانے والے جنین (EMBRYO) کے گرد اضافی جنینی جھلیاں (EXTRA EMBRYONIC MEMBRANES) پائی جاتی ہیں جن میں سے ایک جھلی یا غشاوۃ کا نام ایمنی اون (AMNION) ہے۔ یہ جھلی ایک تھیلی کی طرح ہوتی ہے جس میں ایمنیانی سیال (AMNIOTIC FLUID) بھرا ہوتا ہے۔ یہ سیال دراصل پانی اور بعض نمکیات وغیرہ کا محلول ہوتا ہے، اسی سیال میں جنین پرورش پاتا ہے۔ گویا کہ آج بھی تمام جانور اپنی تولید وتخلیق کے لئے پانی کے محتاج ہیں جیسا کہ وہ اول بار پانی میں پیدا کئے گئے تھے۔

جانوروں کی ایمبر یولوجی سے یہ ظن قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ جنین استحالہ کے جن جن مراحل سے گزر کر مکمل جاندار بنتا ہے وہ اس اولین استحالہ کا اعادہ ہے۔ جو انکے ابتدائی جداعلیٰ کو اپنی پانی میں تخلیق کے درمیان پیش آیا تھا۔گویا کہ ہر جانور اپنے اولین جداعلی کی پانی میں تخلیقی

مراحل کی نقل اپنے استحالہ جنینی کی صورت میں کرتا ہے۔

قرآنی تصورِاُمم حیوانات

ایک ہی جداعلی سے جنم لینے والے تمام جانوروں کے گروہ کو قرآن میں ایک مخصوص اصطلاح امۃ (UMMAH) کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے کہ!

ومامن دابۃ فی الارض ولاطائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم (الانعام 38)

ترجمہ: ''اور زمین پر چلنے والے تمام جانوروں اور اپنے دو پروں سے اڑنے والے پرندوں کی تم جیسی امتیں ہیں۔''

امم جمع ہے امت کی لفظ امۃ اصلاام کی تانیث ہے۔

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں:۔

''ہر اس چیز کو ام کہا جاتا ہے۔ جو کسی دوسری چیز کے وجود میں آنے یا اس کی اصلاح وتربیت کا سبب ہو یا اسکے آغاز کا مبدا بنے۔ خلیل کا قول ہے۔ کہ ہر وہ چیز جس کے اندر اس کے جملہ متعلقات منضم ہو جائیں یا سما جائیں وہ ان کی ام کہلاتی ہے۔'' (4)

چنانچہ جانوروں کا وہ گروہ جن کی اصل وابتداء ایک ہی ہو جس میں اس کے تمام خواص پائے جاتے ہوں، امۃ کہلاتا ہے۔

انسانوں کی اصل وابتداء فرد واحد حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اسی مناسبت سے سب انسانوں کو ''امۃ واحدہ'' قرار دیا گیا ہے۔

ارشاد ہے!

ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ (الانبیاء 92)

ترجمہ: ''بلاشبہ تمہاری یہ جماعت واحد امت ہے۔''

نیز فرمایا!

كان الناس امةواحدة(البقرة213)

ترجمہ: ''سب انسان (اصلاً) ایک ہی امت سے تعلق رکھتے ہیں''۔

چنانچہ جیسے انسان ایک امة ہیں اسی طرح جانوروں کا وہ گروہ جس کی ابتداء ایک ہی جد اعلیٰ سے ہوئی وہ ایک امة ہے۔ جانداروں کی اس قرآنی تقویم (CLASSIFICATION) کی بنیاد پر جانوروں میں لاتعداد امتیں پائی جاتی ہیں ہر امة کے اولین جداعلی کی جداگانہ تخلیق ہوئی جیسا کہ حضرت آدم کی تخلیق بن ماں باپ کے ہوئی۔

امة کی اصطلاح جنس سے زیادہ متعین ہے کیونکہ کسی ایک وصف میں مشترک اشیاء کو ایک ہی جنس میں شمار کرلیا جاتا ہے جبکہ امة کے لیے اصل وابتداء کا اشتراک لازمی وابدی ہے۔

امة کی جدید تعریف

قرآنی تصور امة کو عصری تحقیقات سے ملایا جائے تو امة کی یہ تعریف بنتی ہے:۔

''وہ مماثل جاندار جن کے فطری یا مصنوعی اختلاط سے زرخیز اولاد پیدا ہو، ایک امة ہیں۔ ان جانوروں کا اصلی کروموسوم نمبر(X) اور کیریوٹائپ یکساں ہونا چاہیے۔''

اصلی کروموسوم نمبر (PRIMITIVE CHROMOSOME NUMBER) سے ہماری مراد کروموسومز کا وہ اولین اکہرا سیٹ (HAPLOID SET) ہے جو اس کے امة کے جداعلیٰ میں پیدا ہوا۔ مثلاً عام گندم کی مختلف انواع (SPECIES) اصلاً ایک اصیل (WILD) نوع کی فوری انواع (INSTANT SPECIES) ہیں جو پولی پلائیڈی کے ذریعے پیدا ہوئیں۔ اس اصیل نوع کا اصلی کروموسوم نمبر 7 ہے جبکہ فوری انواع کا کروموسوم نمبر(2N)=28,21,14 اور 42 وغیرہ ہے۔ چنانچہ گندم کا اصلی کروموسوم نمبر 7 ہے۔ آئندہ سطور میں ہم اصلی کروموسوم نمبر کو مختصراً ایکس نمبر (X NUMBER) سے موسوم کریں گے۔

اگرچہ جانوروں میں پولی پلائیڈی کا عمل شاذونادر ہی واقع ہوتا ہے تاہم ایسی شہادتیں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مینڈک (FROG)، چھپکلی (LIZARDS) اور مچھلیوں وغیرہ میں پولی پلائیڈی کا عمل وقوع پذیر ہوا ہے۔ جبکہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ پھول دار

پودوں کی تقریباً نصف انواع پولی پلائیڈی کی مرہون منت ہیں۔اس عمل کی تفصیل آگے چل کر پیش کی جائے گی۔

انسان کا ایکس نمبر 23، پھل مکھی (DROSOPHILA) کا 4، کتے کا 49، پیاز کا 8 ،مولی کا 9 ، اور آلو کا 23 ہے۔ کیریوٹائپ سے مراد کروموسومز کے سیٹ کے مجموعی خواص ہیں۔ پس ایک امۃ میں شامل تمام افراد کا ایکس نمبر اور کیریوٹائپ یکساں ہوتا ہے۔ حیاتیات کے تمام شعبے بالخصوص جینٹکس ،مارفولوجی، اناٹومی، فزیالوجی، ایمبریولوجی اور مالیکیولر بائیولوجی مشترکہ جداعلیٰ کے حامل گروہ امۃ کے لئے تجویز کی گئی مذکورہ تعریف کی تائید وتوثیق کرتے ہیں۔

امۃ کی اس تعریف میں مصنوعی اختلاط کی شمولیت بھی خصوصی توجہ کی طالب ہے۔ فطرت میں بہت سی انواع میں قریبی مشابہت کے باجود یا تو جنسی اختلاط ممکن ہی نہیں یا بہت ہی کم (شاذونادر) ہوتا ہے۔مثال کے طور پر شیر کی دوانواع PANTHERA TIGRIS اور PANTHERA LEO کے مابین عموماً جنسی اختلاط دیکھنے میں نہیں آیا۔ البتہ اگر ان دوانواع میں سے نر و مادہ کو ایک ہی جگہ قید کر دیا جائے تو وہ نہ صرف جنسی اختلاط کرتے ہیں بلکہ ماں باپ کے خواص کی حامل اولاد پیدا ہوتی ہے جو اپنے جیسی اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ صرف ایک مثال ہے ورنہ فطرت میں بلامبالغہ ایسی ہزاروں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی امۃ دو یا دو سے زیادہ انواع (SPECIES) میں منقسم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک ہی امۃ میں کئی کئی نسلیں (RACES) یا فروع (VARIETIES) موجود ہوتی ہیں۔کوئی امۃ فروع اور انواع میں کیسے تقسیم ہوتی ہے؟ ہمیں قرآن یا احادیث صحیحہ میں اس سوال کا جواب باوجود تحقیق وجستجو کے نہیں مل سکا۔ تاہم ایسے اشارات ضرور پائے جاتے ہیں جن کو مشاہداتی علوم سے ملا کر کوئی واضح تصور سامنے آسکتا ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں!

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سانڈ کی نسل کشی کی اجرت سے منع فرمایا ہے۔ (رواہ احمد والبخاری والنسائی وابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنو کلاب کے ایک شخص نے نبی ﷺ سے سانڈ کی نسل کشی کی اجرت کے متعلق دریافت کیا آپ نے منع فرمایا اس شخص نے عرض کی ہم اچھی نسل پیدا کرنے کے لئے سانڈ چھوڑتے ہیں تو انعام کے طور پر ہمیں کچھ دے دیا جاتا ہے۔ تب آپ نے اس انعام کی رخصت دے دی۔

(رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب)

قدیم اقوام سے جانوروں کی بہتر سے بہتر نسلیں حاصل کرنے کے لئے نسل کشی کا فن (ANIMAL HUSBANDRY) مروج ہے جس میں عصر حاضر کی تحقیقات نے عجیب جدت پیدا کردی ہے۔ نسل کشی (B R E E D I N G) کے نتیجہ میں ایک ہی نوع (SPICIES) کی بہت سی نسلیں (BREEDS) پیدا ہو جاتی ہیں۔ جو ایک دوسرے سے واضح طور پر مختلف ہوتی ہیں مثلاً نسل کشی کے ذریعے کتوں کی چار سو کے لگ بھگ نسلیں پیدا کی جا چکی ہیں۔ اسی طرح بہت سے پالتو جانوروں کی نسل کشی سے ان کی متنوع نسلیں ظہور پذیر ہو چکی ہیں جو کہ ایک زندہ حقیقت ہے۔ جن عوامل (FACTORS) کے نتیجے میں کسی نوع کی یہ متنوع مصنوعی نسلیں پیدا ہوتی ہیں۔ انہی عوامل کے زیر اثر فطری ماحول میں بھی جانوروں میں متنوع خواص پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہی متنوع خواص کسی امۃ کو فروع اور انواع میں تقسیم کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ ایک ہی امۃ کی فروع میں تقسیم کو اصطلاح جدید میں تفرّع یا اینا جینسس (ANAGENESIS) کہتے ہیں جبکہ ایک امۃ کا مختلف انواع میں تقسیم ہونے کا عمل تنوع (SPECIATION) کہلاتا ہے ماہرین حیاتیات تفرع اور تنوع کے فطری عوامل کو مجموعی طور پر ارتقاء اصغر (MICRO-EVOLUTION) کا نام دیتے ہیں۔ درحقیقت یہی ارتقاء اصغر ہے جس نے ڈارون کو مغالطہ میں مبتلا کیا اور اس نے یہ فرض کر لیا کہ جس طرح ارتقاء اصغر ممکن ہے اسی طرح اس کا مخصوص ارتقاء اکبر (MACRO-EVOLUTION) بھی ممکن ہے۔

آئندہ سطور میں ہم ارتقاء اصغر کے اسباب و عوامل کا جائزہ لیں گے اور اندازہ لگائیں گے کہ چارلس ڈارون کی تصنیف ''ابتدائے انواع'' میں کتنی حقیقت ہے اور کتنا فریب اور مغالطہ؟

ارتقاء اصغر (MICRO-EVOLUTION)

کسی امۃ میں جانوروں کے تفرع (ANAGENSIS) اور تنوع (SPECIATION) کے اسباب وعوامل بنیادی طور پر چار ہیں۔ دیگر محرکات جن کو حیاتیاتی ارتقاء کا باعث قرار دیا جاتا ہے وہ درحقیقت انہی چار عوامل کی مختلف صورتیں یا قسمیں ہیں۔

1۔ جینوم 2۔ جینی تغیرات

3۔ جینی انفصال 4۔ موافقت

1۔جینوم (GENOME)

کسی بھی جاندار کے تمام خواص کا تعین اس کے خلیات میں موجود توارثی مادہ ڈی این اے (DEOXYRIBONUCLEIC ACID) کرتا ہے DNA ایک نہایت پیچیدہ کیمیائی مرکب ہے جس میں اپنی ہو بہو نقل (REPLICA) تیار کرنے کی صلاحیت ہے۔
یہی مادہ ایک
نسل کے خواص اگلی نسل میں منتقل کرنے کا اصل ذمہ دار ہے۔

DNA چار نائٹروجنی اساسوں (NITROGEN BASES) شوگر اور فاسفیٹ سے بننے والی وحدتوں (UNITS) کا مجموعہ ہے۔ ان وحدتوں کو نیوکلیوٹائیڈز (NUCLEOTIDES) کہتے ہیں۔ ایک DNA مالیکیول میں عموما ہزاروں نیوکلیوٹائیڈز ہوتے ہیں۔ انہی نیوکلیوٹائیڈز کی مخصوص ترتیب سے کسی امۃ یا نوع کے خواص جنم لیتے ہیں۔

جانداروں کے ہر وصف (CHARACTER) اور خاصیت (CHARACTERISTICS) کو ایک خاص عامل کنٹرول کرتا ہے جسے جین (GENE) کہتے ہیں یہ جینز نیوکلیوٹائیڈز کی مخصوص ترتیب سے وجود میں آتے ہیں۔ کسی بھی جاندار میں جینز کی ایک خاص ترتیب ہوتی ہے۔ جسے کبھی جینی نقشہ (GENTIC MAP) بھی کہتے ہیں۔ پس کسی جاندار کے ایک خلیہ میں موجود کل جینز اور ان کی مخصوص ترتیب کو مجموعی طور پر اس جاندار کا جینوم کہتے ہیں۔ ہر امۃ کا جینوم دوسری امۃ سے بہت حد تک مختلف ہوتا ہے۔ یہ جینوم ہر امۃ کو اپنے ابتدائی جداعلیٰ سے ورثے میں ملتا ہے۔ یہ درست ہے کہ مختلف امتوں میں موجود مشترکہ خواص کو کنٹرول کرنے والے جینز ان میں مشترکہ اور مشابہ ہوتے ہیں مگر وہ مخصوص

خواص جن کی بنیاد پر ایک امۃ سے منفرد وممتاز نظر آتی ہے کو کنٹرول کرنے والے جینز لازماً مختلف ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ تمام جاندار جن میں آنکھ یا کان یا ناک وغیرہ موجود نہیں ہوتے ان میں وہ جین مفقود ہوجاتے ہیں جن کی ہدایات کے تحت یہ اعضاء پیدا ہوتے ہیں۔ اسکے برعکس جن جانوروں میں یہ اعضاء موجود ہیں ان میں انکو بنانے والے جینز بھی موجود ہوتے ہیں لہٰذا جس جانور میں جو عضو مفقود ہے اس کو بنانے والے جینز بھی اس میں مفقود ہیں۔

کسی بھی جاندار کے جینوم میں ان تمام خواص کو پیدا کرنے کی ہدایات رب تعالیٰ کے امرِ کُن سے لکھی جاچکی ہیں جو اس جاندار امۃ میں اب تک ظاہر ہوئے یا آئندہ کبھی ظاہر ہوں گے، لہٰذا کسی امۃ میں جتنے بھی خواص پیدا ہوتے ہیں وہ رب تعالیٰ کی مشیت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ خواہ یہ خواص فطری اختلاط سے ظاہر ہوں یا مصنوعی اختلاط سے۔ یکدم ظاہر ہوں یا رفتہ رفتہ تبدیلی یعنی استحالہ وارتقاء کی صورت میں۔

2۔جینی تغیرات (GENE MUTATIONS)

اللہ تعالیٰ نے جانداروں کی تولید کے لئے جو حکمت عملی مقرر کی ہے اس میں بنیادی اہمیت می اوسس (MEIOSIS) کو حاصل ہے یہ وہ فطری مظہر ہے جس کے نتیجہ میں جنسی خلئے (GERM CELLS) یعنی نطفہ (SPERM) بیضہ (OVUM) اور پودوں کے بذرے (SPORES) بنتے ہیں۔ یہی وہ عمل ہے جو کسی امۃ کے اصلی کروموسوم نمبر کو نسل درنسل مستقل وغیر مبدل رکھتا ہے۔ می اوسس کے دوران کروموسومز کے مابین جینز کا تبادلہ واقع ہوتا ہے۔ جسکی وجہ سے جینز کی ترتیب میں ردوبدل ہوجاتا ہے۔ جینز کے اس ردوبدل کو جینی تغیر (GENE MUTATIONS) کہتے ہیں۔ جینی تغیرات کے نتیجہ میں بننے والے متغیر جنسی خلئے سو فیصد ماں باپ جیسے خواص کے حامل نہیں ہوتے بلکہ ان میں کچھ انحرافات (VARITATIONS) پیدا ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ اولاد میں موجود تمام خواص والدین کے مماثل نہیں ہوتے بلکہ ان کے خدوخال، رنگ آواز، قد کاٹھ وغیرہ میں ایسے نمایاں فرق پائے جاتے ہیں جن کی بنیاد پر بیٹا، باپ سے اور بیٹی ماں سے ممیّز نظر آتی ہے۔ یہ انحراف نسل درنسل بڑھتے چلے جاتے ہیں تاہم جینی تغیرات کی شرح بہت سست ہوتی ہے۔ جینی تغیرات اپنی

تاثیر کے اعتبار سے تین قسم کے ہوتے ہیں۔ جینی تغیرات کی تاثیر کا زیادہ انحصار ماحول پر ہوتا ہے۔

(1) مضر تغیرات (HARMFUL MUTATIONS)

شواہد سے ثابت ہے کہ اکثر مُضر جینی تغیرات بلکہ بعض مہلک ہوتے ہیں۔ ایک فرد کے اعتبار سے جینی تغیرات چونکہ نہایت ہی کم ہوتے ہیں اس لئے ہمیں فرداً فرداً ان کے ضرر کا احساس نہیں ہو پاتا تاہم بعض افراد میں ظاہر ہونے والی معذوری یا اپاہج پن کسی ایسے ہی مضر جینی تغیر کا نتیجہ ہوتا ہے۔

(2) تعدیلی تغیرات (NEUTRAL MUTATIONS)

بعض جینی تغیرات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن سے کوئی ضرر تو نہیں ہوتا لیکن وہ کسی اضافی فائدے کا باعث بھی نہیں بنتے۔

(3) مفید تغیرات (USEFUL MUTATIONS)

بعض جینی تغیرات کسی ایسے وصف کے ظہور کا باعث بنتے ہیں جو فرد کے لئے اضافی فائدے کا سبب ہوتا ہے۔ یہ وصف عموماً ماں باپ میں موجود نہیں ہوتا۔ مثلاً کسی کند ذہن انسان کے ہاں نہایت ذہین وفطین بچے کی پیدائش کسی مفید جینی تغیر کا نتیجہ ہوسکتا ہے مفید جینی تغیرات سے پہلے سے موجود اعضاء کی شکل وصورت، رنگت یا جسامت وغیرہ میں تو تبدیلی ہوسکتی ہے مگر ان کے ذریعے یکسر مختلف نئے کار آمد اعضاء پیدا نہیں ہوسکتے۔ مفید جینی تغیرات کسی فرد میں شاذ و نادر ہوتے ہیں تاہم ایک بڑی آبادی کے اعتبار سے ان کی شرح حوصلہ افزاء حد تک بڑھ جاتی ہے۔ ان مفید جینی تغیرات کی وجہ سے کسی بھی امۃ کی آبادی نہایت ہی دھیمے انداز میں رفتہ رفتہ بدلتی رہتی ہے۔ مصنوعی نسل کشی کے ذریعے ایک ہی امۃ کے افراد میں جو مختلف ومتنوع اوردلچسپ وعجیب خواص یکا یک ظاہر ہوتے ہیں وہ ایسے ہی مفید تغیرات کے مرہون منت ہیں۔

3۔ جینی انفصال (GENETIC ISOLATION)

جب کسی امۃ کی آبادی کافی حد تک بڑھ جائے اور چھوٹی آبادیوں میں تقسیم ہوجائے تو عموماً جنسی اختلاط محض ان چھوٹی آبادیوں کے اندر ہی محدود ہوکر رہ جاتا ہے اور دور دراز بسنے والی

آبادیاں باہم جنسی اختلاط نہیں کرپاتیں۔ جب ایسی کوئی چھوٹی آبادی اپنی امت کی باقی آبادی سے کسی جغرافیائی رکاوٹ مثلاً چوڑا دریا، سمندر یا بلند پہاڑ وغیرہ کی وجہ سے جدا ہوجائے تو اس چھوٹی آبادی کا ربط و تعلق باقی آبادی سے یکسر کٹ جاتا ہے برائے نام رہ جاتا ہے۔ اس قطع تعلقی کی وجہ سے ان دو آبادیوں کے مابین جنسی اختلاط بھی قریباً مفقود ہوجاتا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان آبادیوں کے مابین جینز کا تبادلہ رک جاتا ہے۔ اب بڑی آبادی میں ہونے والے مفید جینی تغیرات چھوٹی آبادی میں منتقل ہوتے ہیں اور نہ چھوٹی آبادی والے مفید تغیرات بڑی آبادی میں منتقل ہوتے ہیں۔ ایسی کیفیت کو جینی انفصال (GENEITC SOLATION) کا نام دیا جاتا ہے۔

اب چھوٹی آبادی میں اپنے مخصوص جینی تغیرات نسل درنسل ورثے میں منتقل ہوتے ہیں اور یہی کیفیت اصل بڑی آبادی میں ہوتی ہے۔ یہ منفصل آبادی جینی تغیرات کی وجہ سے رفتہ رفتہ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح بڑی آبادی بھی اپنے مخصوص خواص کے ساتھ تبدیلی قبول کرتی رہتی ہے۔ تا آنکہ یہ منفصل آبادیاں طویل وقت گزرنے کے بعد اس قدر بدل چکی ہوتی ہیں کہ ایک دوسرے کے لئے اجنبی بن جاتی ہیں۔ رفتہ رفتہ اجنبیت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ اگر ایک آبادی کے افراد کو دوسری آبادی کے افراد کے قریب آنے کا موقع بھی ملے تو ان میں جنسی رغبت پیدا نہیں ہوتی اور یوں یہ دونوں آبادیاں تولیدی اعتبار سے بھی منفصل ہوجاتی ہیں۔ تولیدی انفصال (REPRODUCTIVE ISOLATION) کے اسباب میں تولیدی اعضاء کی بناوٹ، جنس مخالف کو اپنی طرف مائل کرنے کے طریقے، مسکن، خوراک اور بعض دوسری عادات کا فرق شامل ہے۔ اس صورت میں ماہرین حیاتیات ان دونوں آبادیوں کو دو الگ الگ انواع قرار دیتے ہیں اگرچہ جسمانی بناوٹ کے اعتبار سے ان میں کتنی ہی مشابہت ہو۔ اس طرح ایک ہی امۃ دو یا دو سے زائد انواع میں تقسیم ہوجاتی ہے اس عمل کو تنوع (SPECIATION) کہتے ہیں

حواشی

(1) مفردات القرآن: امام راغب اصفہانیؒ

(2) مجموع فتاویٰ ابن تیمیہؒ جلد 17 صفحہ 248

NATIONAL GEOGRAPHIC (MAGZINE) (3)

NOVEMBER 2004, "WAS DARWIN WRONG"

BY

DAVID QUAMMIN, PAGE 9

4۔ مفردات القرآن: امام راغبؒ

قرآن اکیڈمی ملتان میں خطابات کا سلسلہ

پہلا خطاب

رب ہمارا

ماہ مارچ 07ء میں قرآن اکیڈمی ملتان میں دینی موضوعات پر خطابات کا ایک خوبصورت سلسلہ جاری رہا جس میں مجھے بھی ایک خطاب کرنے کا موقع دیا گیا یہ سلسلہ خطابات ریکارڈ کیا گیا بعد میں یہ ویڈیو ریکارڈنگ دیکھنے کا بھی موقع ملا کراچی، ملتان، فیصل آباد، اسلام آباد اور لاہور سے تشریف لانے والے مقررین کے انداز کلام اور طرز گفتگو کے فرق نے بھی متاثر کیا۔ ہماری نظر میں یہ سلسلہ بڑا مبارک سلسلہ تھا اور اس کے خطابات میں بڑی اثر آفرینی ہے اس لئے حکمت بالغہ کے صفحات میں ان خطابات کو شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلہءِ خطابات کے تعارف کے لئے ہم نے انجمن خدام القرآن ملتان کے صدر جناب ڈاکٹر محمد طاہر خان خاکوانی کو زحمت دی تھی۔ انہوں نے بخوشی اس کا تعارف یا ''شان نزول'' تحریر فرما دیا اور ساتھ ہی ان خطابات کو حکمت بالغہ کے صفحات میں شائع کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرما دی۔ ادارہ ان کا شکر گزار ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کے محنت کرنے والے تمام حضرات اور پھر قارئین ''حکمت بالغہ'' کیلئے بھی توشہ آخرت بنا دے اور ہدایت کا ذریعہ بھی آمین۔ (ادارہ)

فہم دین پروگرام کا شان نزول

ڈاکٹر محمد طاہر خان خاکوانی

(صدر انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ ملتان)

تقریباً دو سال قبل قرآن اکیڈمی فیصل آباد کے صدر جناب ڈاکٹر عبدالسمیع

صاحب ہماری دعوت پر ملتان تشریف لائے۔ کینٹ کے علاقے میں ہوٹل شنگریلا کے ایک ایئر کنڈیشنڈ ہال میں ان کا خطاب رکھا گیا جس کا عنوان تھا ''رب ہمارا'' خطاب پر اثر تھا اور عوام کا RESPONSE بھی اچھا تھا۔ یہ عنوان کچھ ذہن میں سما گیا۔ خیال آیا کہ اس عنوان کو اگر آگے بڑھایا جائے تو ایک SERIES OF LECTURES ہوسکتے ہیں۔ اور اپنی دعوت کو عوام کے سامنے پیش کیا جاسکتا ہے۔ میں نے اپنا یہ خیال ڈاکٹر عبدالسمیع کے آگے رکھا تو انہوں نے بہت پسند کیا اور حوصلہ افزائی کی۔ یہ خیال دل میں منڈلاتا رہا مگر کچھ پیش رفت نہیں ہوسکی۔ اس سال کے آغاز جنوری 2007ء میں، میں نے اپنا یہ خیال اپنی قرآن اکیڈمی کی ٹیم کے آگے رکھا جن میں ناظم اکیڈمی جام محمد عابد حسین تھے، انچارج مکتبہ نجم علی اور انچارج شعبۂ سمع و بصر محمد شکیل تھے انہوں نے اسے سراہا اور پروگرام کو عملی شکل دینے کے لئے منصوبہ بندی کی۔ طے پایا کہ مارچ 2007ء کے مہینے میں 18 تا 24 کے دوران یہ پروگرام رکھا جائے اور اس کی مناسب تشہیر کی جائے تاکہ دعوت بھی پھیلے اور قرآن اکیڈمی کا تعارف بھی ہو۔ چنانچہ تنظیم اسلامی کے SENIOR رفقاء سے رابطہ کیا گیا اور اس پروگرام کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ پروگرام اور عنوانات کچھ اس طرح سے طے ہوئے۔

18 مارچ رب ہمارا ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب (قرآن اکیڈمی فیصل آباد)
19 مارچ رسول ہمارا جناب رحمت اللہ بٹر (ناظم شعبہ دعوت و تربیت تنظیم اسلامی)
20 مارچ قرآن ہمارا انجینئر مختار فاروقی (قرآن اکیڈمی جھنگ)
21 مارچ منزل ہماری جناب شیخ شجاع الدین (قرآن اکیڈمی کراچی)
22 مارچ عزم ہمارا جناب خالد عباسی صاحب (ناظم حلقہ شمالی پنجاب و کشمیر)
23 مارچ راستہ ہمارا حافظ عاکف سعید صاحب (امیر تنظیم اسلامی پاکستان)
24 مارچ وطن ہمارا جناب ڈاکٹر اسرار احمد (بانی تنظیم اسلامی پاکستان)

پہلے 6 لیکچر قرآن اکیڈمی ملتان میں ہی رکھے گئے۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض راقم

نے ادا کیئے ان تمام پروگراموں کی اعلی پیانے پر وڈیو بنائی گئی جس کی بعد میں CDs تیار کروائی گئیں۔ تشہیر پر خاطر خواہ رقم خرچ کی گئی۔ الحمدللہ کے تمام پروگرام بھرپور رہے۔ ہال بھر گیا اور لوگوں نے پرسکون انداز میں چھ دن تک مسلسل شام کے اوقات میں تقاریر سنیں۔ ہر نشست روزانہ مغرب تا عشاء منعقد ہوتی تھی۔ مہمانوں کو مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا اور خاطر تواضع کی گئی اس دوران مکتبہ لگایا گیا جس کی کافی اچھی SALE رہی۔ اس پروگرام کی آڈیو کیسٹ ساتھ ساتھ تیار کر کے لوگوں کو فراہم کی گئیں۔

آخری پروگرام ''وطن ہمارا'' ملتان آرٹس کونسل میں رکھا گیا۔ ہال پہلے سے بک کروالیا تھا۔ خواتین کا علیحدہ انتظام کیا گیا۔ ہال کے باہر بھی ٹیلیویژن سیٹ لگا دیئے گئے تا کہ اندر جگہ نہ ملنے والوں کو باہر استفادہ کا موقع مل سکے۔ خواتین کی اچھی خاصی تعداد نے شرکت کی۔ کل حاضری 1200 تا 1400 کے درمیان تھی۔ ڈھائی گھنٹے پر پھیلی گفتگو پورے سکون وانہماک سے سنی گئی۔ مکمل مکتبہ لگایا گیا اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی مختلف عنوانات کی تقاریر T.V. پر چلتی رہیں اور عوام کی توجہ کو اپنی طرف کھینچتی رہیں الحمدللہ ایک ہفتے کا ''بھرپور'' پروگرام رہا جو اللہ کی نصرت وتائید کے بغیر نہ ہوسکتا تھا۔ قرآن اکیڈمی کی ٹیم نے مقدور بھر انداز میں محنت کی۔ اللہ ان کے خلوص اور محنت کا بھرپور صلہ عطا فرمائے (امین)

رب ہمارا

ڈاکٹر عبدالسمیع

الحمد لله وکفی والصلاۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی

امابعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم الله الرحمٰن الرحیم O

ان الذین قالواربنا الله ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ

الاتخافوا ولا تحزنوا وأبشروا بالجنۃ التی کنتم توعدونO

محترم بزرگو، دوستو، عزیزو، بھائیو! ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارا رب کون ہے۔ تو آج میں آپ کو کوئی نئی بات بتانے والا نہیں ہوں بلکہ آج کی گفتگو کا اصل حاصل اس بات کی ایک یاد دہانی ہوگی جو ہم سب کو معلوم ہے البتہ اس کا ایک خاص پہلو اگرچہ ہمیں معلوم ہے لیکن اس کی طرف توجہ نہیں ہے، میں اس کی طرف آپ حضرات کی توجہ مبذول کروانا چاہوں گا۔

اللہ تعالیٰ کی مختلف حیثیتیں ہیں اور ان میں سے سب سے نمایاں اور بنیادی حیثیت اور معروف حیثیت خالق کی ہے اور یہ حیثیت وہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ WIDELY ACCEPTED ہے دنیا کی عظیم اکثریت کسی نہ کسی رنگ میں اللہ تعالیٰ کو خالق مانتے ہیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہیں اس لئے کہ مسلمان اسے کہتے ہیں جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی ہر بات کو ماننے والا ہو، ایمان کی تعریف جو کہ ہمارے عقائد کی کتابوں میں درج ہے وہ اس طرح ہے کہ!

الایمان تصدیق بماجاء بہ النبی صلی الله علیہ وسلم

’’ایمان نام ہے ہر اس بات کی تصدیق کرنے کا جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے۔‘‘

لیکن ایک بات شاید آپ کے علم میں نہ ہو کہ مکہ کے مشرک بھی اللہ تعالیٰ کو خالق مانتے تھے اور مانتے بھی توحید کے ساتھ تھے، یہ گواہی قرآن مجید ایک سے زائد مرتبہ دیتا ہے۔ (لـئـن

سـألتهـم مـن خلق السمٰوٰت والارض) یقیناً اگر تم ان سے پوچھو گے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا۔(لیقـولـن اللـه) تو یہ لازماً کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا۔اس سے پتا چلتا ہے کہ مکہ کے مشرک بھی اللہ کو ہی خالق مانتے تھے جیسے ہم مانتے ہیں اور مانتے بھی توحید کے ساتھ تھے اس میں کوئی شرک نہیں کرتے تھے۔ پھر پالنے والا کون ہے۔سورۃ عنکبوت میں اس کا ذکر ہے کہ''اگر تم ان سے پوچھو کہ یہ بارش کون برساتا ہے اور یہ بادلوں کو کون لے کر آتا ہے'' لیقـولـن اللـه '' تو وہ کہیں گے اللہ'' ـــــــــ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر جھگڑا کیا تھا؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کے الٰہ ہونے کا جھگڑا تھا کہ عبادات کے لائق کون ہے لیکن اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ وہ اللہ کو عبادت کے لائق تو مانتے تھے لیکن توحید کے ساتھ نہیں بلکہ شرک کے ساتھ کہ عبادت میں اس کے شریک ٹھہراتے تھے ان شریکوں کو بھی اللہ ہی کے ساتھ منسوب کرتے تھے لیکن یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا جس پر وہ جھگڑا کرتے اس لئے کہ سیرۃ النبی کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کبھی کسی بت کو کوئی سجدہ نہیں کیا لیکن اس کے باوجود وہ نبی اکرم ﷺ کو پسند کرتے تھے آپ کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ ممکن ہے انہیں یہ پتا نہ ہو کہ یہ ہمارے بتوں کو سجدہ نہیں کرتا لیکن I BEG TO DIFFER وہ تو چھوٹی سی بستی تھی آج بھی آپ کسی گاؤں میں چلے جائیں اپنے کسی دوست کے ساتھ اور کہیں کھڑے ہوئے کسی آدمی کی طرف اشارہ کر کے پوچھیں کہ یہ صاحب کون ہیں؟ وہ آپ کو اس کا نام بتائے گا اس کے باپ کا نام بتائے گا اس کی ذات بتائے گا اس کا PROFESSION بتائے گا اور اس کا بیوپار بتائے گا کہ لین دین کیسا ہے اس کی REPUTATION کیسی ہے اور وہاں بھی یہی ہے کہ حضور ﷺ کا لین دین سب کو معلوم تھا تبھی تو انہوں نے آپ کو الصادق اور الامین کہا کہ یہ نوجوان ایسا سیلز مین ہے کہ کبھی سودا بیچتے ہوئے جھوٹ نہیں بولتا، کسی کو دھوکہ نہیں دیتا، اپنے مال کا نقص بتاتا ہے اور بیچتا ہے الصادق اور الامین ہے تو کیا آپ یہ لمحہ بھر کے لئے سمجھ سکتے ہیں کہ انہیں یہ پتا نہ ہو کہ یہ ہمارے بتوں کو سجدہ نہیں کرتا؟ لیکن اس کے باوجود حجر اسود کا جھگڑا کھڑا ہوا اور طے پایا کہ کل جو سب سے پہلے حرم میں آئے گا وہی فیصلہ کرے گا ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ آج صبح حرم میں آنے والے الصادق اور الامین ہیں (ﷺ) تو انہیں یقیناً پتا ہوگا کہ یہ ہمارے

بتوں کو سجدہ نہیں کرتا لیکن یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا کہ جس کے لئے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت اور صداقت کو نظر انداز کر دیتے۔ انہوں نے جو MORE SENSITIVE ISSUE تھا جس پر تلواریں نکلنے والی تھیں اس میں رسول اللہ ﷺ کو اپنا جج اور منصف مانا یہ چھوٹی سی بات نہیں تھی۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جھگڑا کیوں ہوا جبکہ وہ اکثر جانتے بھی تھے اور مانتے بھی تھے۔ لفظ اللہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ جیسے فارسی میں خدا اور انگریزی میں GOD اللہ ہی کے لئے ہیں تو عربی زبان میں لفظ ''اللہ'' اللہ ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اللھم " اے اللہ '' کے لئے عربی زبان میں ایک پہلے سے EXPRESSION تھا۔ اسی اللہ کو مانتے تھے خالق بھی سمجھتے تھے توحید کے ساتھ۔ الہٰ بھی سمجھتے تھے لیکن شرک کے ساتھ۔

پھر اچانک جھگڑا کیوں ہو گیا غور کیجئے جھگڑا ہو گیا اللہ کے تعارف سے کہ قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ نے وحی کے بعد اللہ تعالیٰ کا ایک نیا تعارف کروا دیا اور وہ تعارف کیا تھا۔ اقرا باسم ربك الذی خلق پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا اب جس نے پیدا کیا نوٹ کیجئے یہ جملہ بتا رہا ہے کہ اب جو اصلی EMPHASIS ہے۔ سارے کا سارا زور اور THRUST جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر ہے لیکن اگر آپ رب کو پالنے والا مانیں گے سمجھیں گے۔ تو پھر اس سے کوئی جھگڑا نہیں پیدا ہوتا۔ اس لئے کہ سورۃ عنکبوت کی مذکورہ بالا آیت جس میں خالق السمٰوات والارض کے بعد پھر یہ پوچھا گیا کہ کون ہے جو بارشیں برساتا ہے یعنی تمہارا رازق ہے تمہارا پالنے والا ہے۔ اس پر بھی انہوں نے کہا کہ اللہ ہی۔ اصل معاملہ کیا تھا کہ رب کا لفظ عربی زبان میں LORD کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ سرائیکی میں سائیں پنجابی میں میاں آپ کو معلوم ہے کہ مل مالکان میاں صاحبان کہلاتے ہیں۔ اور پنجابی میں اللہ میاں سرائیکی میں اللہ سائیں کے کیا معنی ہیں یعنی پالنے والا اور ہوتا ہے پالنا ایک سروس ہے۔ جیسے پیدا کرنا ایک سروس ہے ایسے ہی پالنا بھی ایک سروس ہے۔

اس کی مثال ہے آپ ایک جگہ کے مالک ہیں یعنی LANDLORD ہیں تو آپ چاہتے ہیں کہ وہاں پر ایک عمارت تعمیر کروائی جائے تو کیا کریں گے پہلے کسی ARCHITECT سے مشورہ کریں گے۔ پھر کوئی DRAFTSMAN بھی

INVOLVE ہوگا۔ پھراس کے بعدکوئی انجینئر بھی آئے گا۔ پھرکوئی BUILDER آئے گا۔ پھرکوئی معمار آئے گا جواس کی دیوار میں چھتیں ڈالے گا۔ پھرکوئی کارپینٹر آئے گا کہ جواسکا لکڑی کا کام کرے گا تو آپ کا مکان تیار ہوگا یہ سب سروسز ہیں۔اور سروسز ہمیشہ ہائر کی جاتی ہیں لیکن LORD آپ ہی رہتے ہیں خواہ نقشہ بنانے والا کوئی شخص ہو نقشہ DRAW کرنے والا کوئی دوسرا ہو۔اس کی تعمیر کرنے والا کوئی تیسرا ہو LANDLORD آپ ہی ہوں گے اور ان میں سے کوئی بھی بااختیار نہیں ہوگا۔ یہ جگہ انجمن خدام القرآن ملتان کی ملکیت ہے لیکن اس کی تعمیر کس نے کی تھی؟ کسی معمار نے ،تو کیا کبھی معمار آکر CLAIM کرسکتا ہے کہ چونکہ یہ دیواریں میں نے چنی تھیں لہٰذا میری مرضی چلنی چاہئے ہرگز نہیں،مرضی ہمیشہ LANDLORD کی چلے گی۔

بنیادی مسئلہ کیا ہے؟ جھگڑا کیوں کھڑا ہوا؟ کہ لارڈ کا لفظ جو تھا وہ معروف آقاؤں کے لئے استعمال ہوتا تھا۔عبداوررب یہ ایک دوسرے کے OPPOSITE لفظ ہیں دونوں عربی زبان میں صفات ہیں اسم فاعل نہیں ہے،رب کا لفظ LORD کے معنی اورعبد کا لفظ SLAVE کے معنی میں ہے۔رب معنی آقا اورعبد کا معنی غلام۔

بدقسمتی سے جب رب کا لفظی ترجمہ ''پالنے والا'' کیا گیا تو پھر رب کی حیثیت درحقیقت ختم ہوگئی۔ اللہ اس پوری کائنات کا رب ہے اوراس میں ہر ہر چیز کا رب ہے۔سورۃ مومنون میں وہی سوال پھر دہرایا گیا(قل لمن الارض و من فیھا ان کنتم تعلمون سیقولون للہ) ''کہہ دو کہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے سب کس کا ہے؟ (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو! بول اٹھیں گے کہ اللہ کا ہے''۔اگر تم ان سے پوچھو(من رب السمٰوٰت السبع ورب العرش العظیم) ساتوں آسمانوں اورعرش عظیم کا رب کون ہے(سیقولون للہ) تو وہ بھی کہیں گے کہ اللہ ہی۔اس میں سے زمین نکال لی یعنی اللہ تعالیٰ کو زمین کا رب ماننے کو تیار نہیں ہیں۔جس طرح میں نے عرض کیا کہ خالق کوئی دس دفعہ اس بلڈنگ کا ہو لیکن اس کا اس پر اختیار کوئی نہیں ،اختیار رب کا چلتا ہے۔کیونکہ اسلام نے آکر اللہ تعالی کا تعارف بطور رب کروایا جبکہ امیہ بن خلف اپنے آپ کو بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا رب اورانہیں اپنا عبد کہتا تھا۔خادم ومخدوم نہیں بلکہ رب اورعبد کا رشتہ ان

کے درمیان معروف تھا۔ ہوا یہ کہ حضرت بلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اب اس ایمان کے نتیجہ میں آپ کے اخلاق اور کردار میں بھی فرق آیا ہوگا تو مثال کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ حضرت بلال ایمان لانے کے بعد امیہ بن خلف کے پاس گئے۔ اور اس سے کہا کہ سر میں بہت شرمندہ ہوں اور معذرت خواہ ہوں کہ خیانت بھی کرتا رہا ہوں میں آپ کی خدمت میں بڑی کوتاہی کرتا رہا ہوں کام چوری اور خیانت کرتا رہا ہوں آج وہ جو ہے نہ عبداللہ کا بیٹا محمد ﷺ ہاشمی اس پر ایمان لے آیا ہوں اور انہوں نے مجھ سے وعدہ لیا کہ میں جھوٹ نہ بولوں گا اور خیانت نہ کروں گا اور وعدہ خلافی نہ کیا کروں گا۔ اب امیہ بن خلف اپنی جگہ پر دل میں اچھل رہا ہوگا کہ واہ بھئی واہ محمد نے تو بڑا کام کیا۔ اور شاید وہ کہنے ہی والا ہو کہ مجھے لے چلو ان کے پاس میں ان کا شکریہ ادا کروں کہ میرا کھوٹا سکہ کھرا کر دیا لیکن حضرت بلال نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ لیکن! اس نے کہا لیکن کیا؟ اب آپ میرے رب نہیں رہے! یہ سن کر اس نے کہا HOW DARE YOU SAY THAT تیری ایسی کی تیسی تیری یہ جرأت کیسے ہوئی کہ میں تمہارا رب نہیں ہوں اور تم میرے عبد نہیں ہو ———— یہ ہے اصل جھگڑا، یہ ہے اصل دشمنی کی بات، کہ چودھراہٹ ختم ہوتی ہوئی نظر آئی ہمارے عبد اب ہمارے عبد نہیں رہیں گے اب ہم ان کے لارڈز نہیں رہیں گے۔ ہم صرف مخدوم ٹھہریں گے اور یہ صرف خادم NOWAY یہ نہیں ہوسکتا۔ اب اس نے ان کو مارنا شروع کر دیا حضرت بلال کو اوندے منہ گھسیٹتا ان کو تشدد کا نشانہ بناتا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد پوچھتا اب ہوش ٹھکانے آئی؟ آپ بلال جواب دیتے اَحداَحد پھر تشدد کرتا پھر پوچھتا بلال کہتے اَحداَحد صرف ایک۔ غور کیجئے کہ الٰہ ہونے کا تو امیہ بن خلف نے دعویٰ ہی نہیں کیا آپ نے کہیں پڑھا ہے کہ امیہ بن خلف نے کہیں الٰہ ہونے کا دعویٰ کیا ہو کسی کتاب میں آپ نے دیکھا کہ امیہ بن خلف نے خالق ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ نہ۔ نہ اس نے اپنے آپ کو کبھی خالق نہ کبھی الٰہ کہا تھا۔

فرعون کے تذکرے میں سورۃ اعراف میں بڑی دلچسپ بات آئی ہے ویسے دوسری سورتوں میں آپ دیکھتے ہیں کہ مثلاً سورۃ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا جو تعارف کروایا وہی فرعون کے لئے سب سے پہلے زیادہ پریشان کن تھا۔ تعارف کیا تھا؟ انّا رسولا ربّك یعنی

حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام دونوں فرعون کے دربار میں گئے اور اپنا تعارف کروایا کہ ہم دونوں تیرے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی جبکہ وہ اعلان کرر ہاتھا۔انا ربکم الاعلیٰ ۔''میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں''۔ایک جگہ یہ بھی اس کا قول ہے کہ ما علمت لکم من الہ غیری (القصص) لیکن سورۃ اعراف میں یہ تذکرہ ہے کہ ایک موقع پر فرعون کے درباریوں نے فرعون سے مخاطب ہوکر کہا کہ بادشاہ سلامت (اتذر موسیٰ وقومہ لیفسدوافی الارض) کیا آپ موسیٰ اوراسکی قوم کوایسے ہی چھوڑ دیں گے؟ کہ وہ زمین میں فساد پھیلائیں (ویــــــــــــذرك و الٰهتك) اورآپ کواورآپ کے خداؤں کونظرانداز کردیںــــــــــــ معلوم کیا ہوااگرچہ فرعون رب ہونے کا دعویدار تھامگر الہ اس کے بھی کوئی اور تھے تو یادرکھئے کہ یہ جو بڑے بڑے سردار بادشاہ ہوتے ہیں یہ نہ کبھی خالق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور نہ خود الہ ہونے کا کوئی دعویٰ کرتے ہیں یعنی کسی اور کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ تمہارے الہ ہیں؛اس لئے کہ اگر وہ خالق ہونے کا دعویٰ کریں گےتو سب کونظر آرہا ہے کہ وہ خالق نہیں ہیں EVEN سروسز کے درجے میں اللہ تعالیٰ ہمارا خالق ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ تخلیق کی سروس کس سے لی ہے؟والدین سے لی ہے ان کو اللہ تعالیٰ نے JOB ASSIGN کی ہے کہ میرا ایک اور بندہ پیدا کرکے اوراس کو پال کے جوان کرکے میرے سامنے پیش کروتا کہ میں اسے حکم دے سکوں کہ میرے بندے بن جاؤ اس لئے کہ اللہ عاقل وبالغ سے مخاطب ہوتا ہے بچے سے مخاطب نہیں ہوتا۔تو فرعون کا دعویٰ کیا تھا کہ میں رب ہوں اورالہ اس کے بھی کوئی اور تھے تو جو بھی اپنے آپ کورب کہے گااس کے سامنے جاکر کوئی الہ ہونے کا دعویٰ کردے اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا،کوئی اور خالق ہونے کا دعویٰ کردے وہ لوگوں کے جذبات کوصرف ٹھنڈا کرنے کیلئے ادھر ادھر کی بات کردے گا۔اس کواپنی کرسی ہلتی نظرنہیں آتی ،اپنی حیثیت جو ہےاس کوچیلنج نظرنہیں آتی۔ لیکن جب بھی کوئی رب ہونے کادعویٰ کرے گااس کا یہ دعویٰ کسی بھی ایسے شخص کو جواپنے آپ کو رب سمجھتا ہورب کہلاتا ہو،رب منواتا ہو،وہ کبھی اس کوقبول نہیں کرے گا

پھر اللہ تعالیٰ کی جومختلف حیثیتیں اورصفات ہیں وہ اس کے اسماء سے ظاہر ہوتی ہیں۔اسماء کے سلسلے میں ایک دلچسپ بات بتاؤں شاید آپ نے غور کیا ہو کہ قرآن مجید میں لفظ اللہ

ہزار سے زائد مرتبہ استعمال ہوا ہے اور لفظ رب 900 سے زیادہ مرتبہ آیا ہے۔لیکن لفظ رب کے متعلق ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ کبھی ال کے ساتھ استعمال نہیں ہوا۔انہیں معلوم ہے جو عربی جانتے ہیں جیسے کہ انگلش میں THE ہوتا ہے۔انگلش میں GOD کے مقابلے میں THE GOD نہیں ہے بلکہ GOD ہے تو لفظ رب پورے قرآن میں ال کے ساتھ استعمال نہیں ہوا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالی کے 99 نام جو احادیث میں آئے ہیں قرآن مجید کے اندر کی جلدی صفحے پر ان میں سے پہلے سے لے کر 99 تک دیکھ لیں ان میں سے کہیں رب نظر نہیں آئے گا۔

اس سے اندازہ کیجئے کہ رب اللہ تعالی کی SPECIAL حیثیت ہے یعنی باقی صفات سروسز کی نوعیت کی چیزیں ہیں یا اللہ تعالی کی مخصوص حیثیتیں ہیں۔مخصوص حیثیتوں سے مراد یہ ہے کہ خالق ہونا ایک ACT ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو بنایا جب پورا انسان بن گیا تو تخلیق کا کام مکمل ہو گیا اسی طرح رزق دینا ایک کام ہے، ایک سروس ہے جب پورا رزق دے دیا کام ختم ہو گیا۔مختلف نام اللہ تعالی کے قرآن میں آئے ہیں سمیع، بصیر وغیرہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مختلف حیثیتیں ہیں اللہ تعالی کے مختلف کام بھی ہیں لیکن اللہ تعالی کی یہ حیثیت کہ وہ رب ہے یہ کوئی سروس یا کوئی کام نہیں یہ اللہ تعالی کی UMBRELLA حیثیت ہے سب سے اونچی حیثیت جس کے تحت یہ سب کچھ ہو رہا ہے وہ کیا ہے اللہ کا رب ہونا۔اللہ رب ہے اسی لئے خالق بھی ہے نوٹ کیجئے ۔ جب میں نہیں تھا تو میرا رب کون تھا؟ اللہ! جب اللہ نے مجھے پیدا کر دیا تو میرا رب کون ہے؟ اللہ! جب میں مر جاؤں گا تو میرا رب کون ہوگا؟ اللہ! تو میری پیدائش سے پہلے بھی اللہ میرا رب تھا پیدائش کے بعد بھی اور موت کے بعد بھی اللہ ہی رب ہوگا۔اور قیامت کے دن میں اٹھوں گا تو بھی اللہ ہی میرا رب ہوگا۔

بڑی دلچسپ بات ہے کہ یہ لفظ عبد جو ہے ع ب د اس کا مادہ ہے۔اسی کے معنی عبادت کرنا بھی ہے اور اسی مادے سے بندہ ہونا بھی ہے۔جن حضرات کو عربی زبان آتی ہے ان کی دلچسپی کے لئے عرض کر رہا ہوں کہ اگر ع،ب،د کا مادہ باب نَصَرَ سے آئے یعنی اس کا ماضی عَبَدَ اور اور مضارع یَعۡبُدُ تو اس کے معنی ہیں عبادت کرنا، پرستش کرنا، TO WORSHIP لیکن اگر یہ باب کَرُمَ یَکۡرُمُ سے آئے تو اس کے معنی ہیں جدی پشتی غلام ہونا۔یعنی میں اللہ کا بندہ ہوں

اور میرے والد صاحب بھی اللہ کے بندے ہیں میرے دادا مرحوم بھی اللہ کے بندے تھے۔ میرے پڑدادا مرحوم بھی اللہ کے بندے تھے SO ON میرے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام بھی اللہ کے بندے تھے، میں پیدا بھی غلام ہوا تھا، میں اب بھی اللہ کا غلام ہوں اور میں مروں گا بھی تو اللہ کا غلام مروں گا اور غلام ہی قیامت کے دن اٹھوں گا۔ غلام صبح بھی غلام ہوتا ہے اور شام کو بھی غلام ہوتا ہے دن کو بھی غلام ہوتا ہے رات کو بھی غلام ہوتا ہے وہ سویا ہوا بھی غلام ہوتا ہے جاگتا ہوا بھی غلام ہوتا ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں پرستش کی ابتداء بھی ہوتی ہے اسکی انتہا بھی ہوتی ہے۔ اللہ اکبر کہا اور نماز کی عبادت کا آغاز ہو گیا اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا نماز کی عبادت ختم ہو گئی۔ فجر کی اذان ہوئی اور روزے کی عبادت کا آغاز ہو گیا اور مغرب کی اذان ہوئی اور روزے کی عبادت اپنے اختتام کو پہنچ گئی لیکن غلامی کی نہ کوئی ابتداء ہوئی نہ کوئی انتہا ہوئی۔ میں پیدائش سے پہلے بھی اور پیدائش کے بعد بھی، مرنے سے پہلے بھی اور مرنے کے بعد بھی اور قیامت کے دن بھی اللہ کا غلام ہوں تو اللہ تعالی کی جو سپریم حیثیت ہے UMBRELLA حیثیت ہے وہ یہ ہے کہ اللہ میرا رب ہے۔ اور اللہ تعالی کو اس حیثیت میں پہچان لینا ہی اصل اسلام ہے، یہی اسلام کا اصل پیغام ہے، یہی قرآن کا اصل پیغام ہے۔ تمہیں کوئی غلط فہمی نہ ہو نہ تو میں اللہ تعالے کے خالق ہونے کا انکار کرتا ہوں اور نہ ہی میں اللہ تعالے کے الٰہ واحد ہونے کا انکار کرتا ہوں بلکہ عرض یہ کر رہا ہوں کہ یہ سب حیثیتیں اس کے نیچے ہیں۔ اصل حیثیت یہ ہے کہ اللہ رب ہے۔ پھر عام طور پر لفظ رب اور عبد میں بڑے CONFUSION پیدا ہو گئے ایک CONFUSION تو یہ پیدا ہو گیا کہ رب کے معنی پالنے والا ہے اس سے اللہ تعالی کی حیثیت اور رب کی حقیقت محدود ہو کر رہ گئی۔ دوسرا ظلم یہ ہوا کہ لفظ عبد جو اس کا الٹ تھا وہ بھی رفتہ رفتہ ہمارے ذہنوں سے اس کا مفہوم نکالنے کی کوشش کی جا رہی ہے یا وہ غیر ارادی طور پر سیکولرازم کے اثر کی وجہ سے نکل رہا ہے۔ قرآن مجید کے جو پرانے انگریزی تراجم ہیں خاص طور پر انگریزی ترجمہ جو سب سے زیادہ پرانا اور AUTHENTIC ہے وہ مرڈوک پکتھال (مرحوم) کا ہے وہ عبد کا بڑا FRANKLY ترجمہ SLAVE کرتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد عبداللہ یوسف علی صاحب کا ترجمہ جو مشہور ہے وہ لفظ SLAVE کو ذرا AVOID کرتے ہیں۔ وہ عبد

کا BONDSMAN ترجمہ کرتے ہیں بندھا ہوا اورقرآن مجید کے RECENT TRANSLATION میں BONDSMAN بھی ختم ہوگیاان میں لفظ ہے HUMBLE SERVANT حالانکہ SLAVE اور SERVANT میں بڑا فرق ہے۔ یہ ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہیں زمین آسمان کا فرق ہے دونوں میں۔ SERVANT جتنا مرضی بھی HUMBLE ہوجائے ملازم جتنا بھی عاجز ہوجائے جتنا مرضی منکسر المزاج ہوجائے وہ ملازم ہی ہوتا ہے۔ SLAVE نہیں اور SLAVE میں جتنی مرضی عزت نفس آجائے وہ SLAVE ہی رہتا ہے۔ ابن عربی کا عربی زبان میں بڑا خوبصورت شعر ہے۔ ؎

العبد عبدٌ وان ترقّٰی والرب ربٌ وان تنزل

''بندہ بندہ رہتا ہے خواہ وہ کتنی بھی ترقی کر جائے۔ رب رب ہی رہتا ہے خواہ کتنا ہی نیچے آجائے''

جیسے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ'' اللہ تعالی رات کے آخری حصہ میں نچلے آسمان پر آجاتا ہے'' ساتویں آسمان سے آٹھویں آسمان پر بھی آجائے تو بھی وہ رب ہی ہے اور بندہ جہاں مرضی چلا جائے جتنا مرضی اونچا ہوجائے وہ عبد ہی رہتا ہے، عبد (SLAVE) میں اور ملازم (SERVANT) میں کیا فرق ہے؟ اب اس کو بھی نوٹ کیجئے SLAVERY IS NEVER WITH CHOICE غلامی کبھی کوئی شوق سے نہیں کرتا، غلامی ہمیشہ BY COMPULSION ہوتی ہے اور سروس (ملازمت) ہمیشہ پسند کے مطابق ہوتی ہے۔ (SERVICE IS ALWAYS WITH CHOICE) آپ نے درخواست دی کسی EMPLOYER نے آپ کی درخواست کو CONSIDER کیا آپ کا CV دیکھا، انٹرویو کے لئے بلایا، اسے آپکا معاملہ پسند آگیا اس نے آپ کو پیشکش کی آپ کا جی چاہے گا اس کی آفر قبول کرلیں گے اگر جی نہیں کرتا تو نہ کریں VERY SIMPLE پہلا فرق یہ کہ غلامی میں چوائس نہیں ہوتی اور سروس میں ہمیشہ چوائس ہوتی ہے۔ دوسرا فرق یہ کہ سروس میں ہمیشہ کنٹریکٹ (معاہدہ) ہوتا ہے۔ غلامی میں کوئی معاہدہ نہیں ہوتا اس معاہدے میں

دونوں طرف سے طے ہوتا ہے کہ آپ یہ یہ کام کریں گے اور اتنے گھنٹے کام کریں گے اور اس کے مقابلے میں آپ کو یہ مراعات حاصل ہوں گی جبکہ غلامی میں کوئی ڈیوٹی HOURS نہیں ہیں میں نے عرض کیا تھا سویا ہوا بھی غلام اور جاگتا ہوا بھی غلام، صبح بھی غلام اور شام بھی غلام کوئی DUTY HOURS نہیں اور نہ ہی کوئی کام متعین ہیں بلکہ آقا جو کہے گا وہ کرنا پڑے گا کوئی سیلری نہیں ہے۔ آقا جسے چاہے دے جسے چاہے محروم رکھے، جسے چاہے خوب دے اور جسے چاہے ناپ تول کر دے۔ آقا کی شان یہی ہے۔ اگر تو وہ EMPLOYER ہے پھر تو وہ پابند ہے اس نے لکھ کر دیا ہے CONTRACT میں کہ میں آپ کو اتنی تنخواہ دوں گا یہ یہ مراعات دوں گا لیکن آقا کی شان رب کی شان ہے جسے چاہے بھوکا رکھے، جسے چاہے ڈھیروں عطا کر دے کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا۔ کوئی RULES & REGULATION آقا کے لئے نہیں ہوتے۔ EMPLOYER کے لئے ہوتے ہیں تو نہ اس پر کسی DUTY HOURS کی پابندی ہوتی نہ کسی PREVILAGE کی، کسی تنخواہ کی مراعات کی۔

تو اب آیئے اللہ ہمارا رب ہے یا وہ ہمارا EMPLOYER ہے؟ کیا خیال ہے؟ اللہ ہمارا رب ہے۔ اس نے جب چاہا ہمیں وجود بخش دیا جب چاہے گا ہمارا پتا چاک کر دے گا اب اسی کو آپ ذرا فوکس کیجئے کہ اللہ ہمارا LORD ہے۔ ہمارا آقا ہے۔ اس نے ہم میں سے جسے چاہا جیسے چاہا پیدا کر دیا۔ ہمارے بعض INTELLECTUAL جو ہیں وہ بڑی EMOTIONAL سی تصویر بناتے ہیں اللہ کو طعن کرنے کی کہ نابینا کا کیا قصور ہے اس کو کیوں نابینا پیدا کر دیا گیا؟ اور اپاہج کا کیا قصور ہے کہ اس کو ایسا پیدا کر دیا گیا یعنی کہتے نہیں ہیں کہ اللہ نے پیدا کیا لیکن INDIRECTLY وہ طعن اللہ کو ہے، اللہ میرا رب ہے اس نے مجھے جیسا چاہا پیدا کر دیا، جتنا میرا قد بنانا تھا بنایا، جتنی میری PHYSICQUE بنانی تھی بنائی، جیسا میرا رنگ بنانا تھا بنا دیا، جس خاندان میں چاہا مجھے پیدا کر دیا جتنا چاہا مجھے صلاحیت دے دی، جتنی چاہا میری معاشی حیثیت بنا دی اس میں اس کا اختیار ہے تو وہ جیسا چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جہاں چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس حال میں چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پھر پیدا ہی نہیں کرتا رہتا ہے بلکہ جب چاہے گا لے جائے گا۔ اللہ نے مجھے دو ہاتھ دیئے جبکہ میرا حق

نہیں تھا، اللہ نے دو آنکھیں دے دیں یہ بھی میرا حق نہیں تھا، اللہ نے مجھے چلنے کو تندرست پاؤں دیئے اور ٹانگیں دیں، اللہ نے مجھے صحیح دماغ دے دیا، میرا کوئی حق نہیں تھا اگر اللہ مجھے اپاہج بنا دیتا یا مجھے نابینا بنا دیتا اگر اللہ مجھے پاگل پیدا کرتا تو میرا اللہ پر کوئی کلیم نہیں تھا کہ کیوں ایسا کیا؟ــــــــــ ہاں ایک بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ اللہ نے جو نعمتیں دی ہیں ان کا حساب مجھے دینا ہوگا، مجھے اپنی آنکھوں کا بھی حساب دینا ہوگا جبکہ ایک نابینا میرے مقابلے میں مزے میں ہوگا، میں اپنے پاؤں کا بھی حساب دوں گا کہ کہاں کہاں چل کر گیا ایک اپاہج اس حساب سے پاک ہوگا ان ہاتھوں سے میں نے کیا کیا برائیاں کیں کیا کیا زیادتیاں کیں ان کا حساب مجھے دینا پڑیگا اور جس کے ہاتھ ہی نہیں ہیں اس کو یہ حساب نہیں دینا ہوگا۔ مجھے اپنی زبان کا بھی حساب دینا ہوگا لیکن ایک گونگے کو یہ حساب نہیں دینا ہوگا۔ تو اللہ تعالی مالک ہے جسے چاہے جیسے چاہے جب چاہے جہاں چاہے پیدا کردے جو چاہے جسے چاہے محروم رکھے کسی کا اللہ پر کوئی کلیم نہیں ہے۔

اگر یہ بات سمجھ میں آجائے کہ اللہ ہمارا رب ہے تو پھر ہمارا سب سے پہلا کام اور اللہ تعالی کے ساتھ سب سے پہلا تعلق ہونا چاہیئے ''اللہ سے مانگنا'' یعنی ہم تو ایسے لوگ ہیں کہ ہمارا ملازم یا کوئی ملازمہ ہمارے کسی مہمان کے سامنے اپنا کوئی دُکھڑا بیان کردے تو ہمیں بڑا غصہ آئے گا حالانکہ وہ غلام نہیں ہوتے ہمارے ملازم ہوتے ہیں، تنخواہ طے شدہ ہوتی ہے۔ بڑا غصہ آتا ہے کہ ہماری بے عزتی کروادی ہمارے مہمان کے سامنے اپنا دکھڑا بیان کردیا۔ کیا اللہ تعالی APPERECIATE کرے گا اس کو کہ ہم اپنے رب کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی بجائے کسی اور کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ تو جب اللہ کو اپنا رب مان لیا تو پھر اللہ تعالی کے سوا کسی اور سے مانگنا بنتا ہی نہیں۔

اب دیکھئے قرآن مجید کی پہلی آیات اقرأباسم ربك الذی خلق اور قرآن مجید کے TEXT میں پہلی آیات میں اللہ کا تعارف کیا ہے؟ الحمد لله رب العلمین اور یہ بات بعد میں کرنی تھی ابھی کر دیتا ہوں تا کہ مضمون مکمل ہوجائے کہ قرآن مجید کا اختتام کہاں ہوتا ہے۔ قــــل اعـوذ بـرب الـفـلق اور قـل اعـوذ بـرب الـنـاس اب یہاں لفظ رب کو دیکھئے کیسی

خوبصورتی کے ساتھ نگینوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں وہ سب کونظر آئے گا ــــــــــ اقــر ا
ٔبا سم ربك الذی خلق ــــــــــ قل اعوذ برب الفلق ــــــــــ قل اعوذ برب
الناس توسب سے پہلا کام اللہ تعالیٰ کا تعارف ہے۔ الحمدللہ رب العٰلمین الرحمٰن
الرحیم ملك یوم الدین نتیجہ کیا نکلا؟ ایاك نعبد یعنی رب اور عبد ایک دوسرے کے الٹ ہیں
۔اگر اللہ رب ہے تو میں عبد ہوں ــــــــــ توایاك نعبد اے اللہ ہم تیرے ہی بندے ہیں
اب اس میں دونوں ترجمے کرنا ممکن ہے اسلئے کہ نعبُد مضارع تو دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے
خواہ باب نصر ہو یاباب کرُم ہو۔ لیکن آپ اس سیاق وسباق میں دیکھیں گے۔ تو زیادہ
APPROPRIATE کیا ترجمہ ہوگا؟۔ایاك نعبد وایاك نستعین اے اللہ ہم تیرے
بندے ہیں، اس لئے کہ اس کا لازمی تقاضا ہے تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے شایان
شان نہیں ہے کہ عبادت میں سودے بازی کی جائے اگر چہ اس کی اجازت ہے مثلاً نذر مانا اس کی
اجازت ہے لیکن پسندیدہ نہیں ہے۔

ع ''سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے''

کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کچھ دے یا نہ دے ہمیں اس کی نماز پڑھنی ہے۔ مشروط نہیں ہے کہ
اے اللہ تو مجھے کچھ دے گا تو میں نمازیں پانچ وقت پڑھا کروں گا ،تو دے گا تو میں رمضان کے
روزے رکھوں گا ، مجھے کچھ دے گا تو میں حج کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کی پرستش کا اللہ تعالیٰ کی HELP
سے کوئی تعلق نہیں، ہاں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اور انسان کا اللہ کے بندہ ہونے کا لازمی تعلق ہے
اللہ تعالیٰ کے مانگنے کے ساتھ اور یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، یعنی یوں تو کلیم نہیں ہے اللہ پر کہ اللہ تعالیٰ
مجھے دینے کا پابند ہے لیکن ہم یہ کلیم تو کر سکتے ہیں کہ میرا رب تو ہے بتا میں کہاں جاؤں؟ تجھ سے ہی
لینا ہے، تجھ سے ہی مانگ رہا ہوں اور میں کسی فقیر سے نہیں مانگ رہا،کسی محتاج سے نہیں مانگ رہا،
رب العٰلمین سے مانگ رہا ہوں دیدے دیدے۔ جتنا یہ یقین بڑھے گا میں اپنے رب سے مانگ
رہا ہوں اور اپنے رب کا بندہ ہوں اگر چہ کلیم نہیں لیکن نہ ہونے کے باوجود بھی بن جائے گا؛ اس
لئے کہ مانگنے کا حکم تو ہے اگر چہ اللہ دینے کا پابند نہیں لیکن مانگنے کا کلیم تو بن جاتا ہے جوں جوں میں
یہ تسلیم کرلوں کہ میرا رب اللہ ہے تو پھر میرا کلیم ہے کہ میں اس سے مانگوں مانگتا چلا جاؤں چاہے گا

تو دے گا، چاہے گا تو نہیں دے گا۔لیکن کم سے کم یہ تو ہوگا کہ میرا بندہ ہونا اللہ تعالیٰ ACCEPT کرے گا ہاں یہ بندہ میرا ہے۔

اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر انسان واقعتاً اللہ کا بندہ بن جائے تو یہ اس کی سب سے بڑی کامیابی ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ ہماری زبان میں پنجابی میں بھی اور سرائیکی میں بھی ''بندہ بن'' کسے کہتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ ٹھیک ہو جا؛ اس لیئے کہ انسان کے ٹھیک ہونے کی علامت آزاد ہونا نہیں بلکہ اس کے ٹھیک ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ اللہ کا بندہ بن جائے؛ اللہ کا بندہ ہے تو ٹھیک ہے اور اگر اللہ کا بندہ نہیں بنا تو کچھ بھی نہیں، تو سب سے پہلا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ ہے کہ اللہ سے پورے انشراح صدر کے ساتھ مانگا جائے، تو یہ ہے۔ایاك نعبدوایاك نستعین ۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب اللہ کو رب مان لیا تو اللہ سے پوچھا جائے ' رب اد س کی کرنا اے' رب حکم کر کیا کرنا ہے؟ اھدنا الصراط المستقیم اب صراط المستقیم میں صحیح غلط کا معیار کیا ہے؟ یعنی عموماً ہوتا تو یہ ہے کہ قانون اور ضابطے کے مطابق جو ہوگا وہ صحیح ہوگا اور جو قانون اور ضابطہ کے مطابق نہیں ہے وہ غلط ہوگا لیکن قانون اور ضابطہ کہاں ہے؟ قانون اور ضابطہ ہوتا ہے EMPLOYEE اور EMPLOYER کے درمیان، آجر اور اجیر کے درمیان؛ لیکن یہاں تو رشتہ ہے رب اور بندے کا یہاں معیار یہ ہوگا کہ جس سے رب خوش ہو جائے وہ ٹھیک راستہ ہے اور جس سے رب ناراض ہو جائے وہ غلط راستہ یعنی جس راستہ پر چل کر مالک خوش ہو جائے وہ ٹھیک راستہ ہے اور جس راستہ پر چل کر مالک ناراض ہو جائے وہ غلط راستہ ہے۔کیا خوبصورت الفاظ ہیں۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم ''ہمیں سیدھا رستہ دکھا ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے انعام کیا'' انسان جس سے خوش ہوتا ہے انعام اسی کو دیتا ہے یعنی وہی رب کی RIGHT OR WRONG ABSOLUTE AUTHORITY یہ ہوا میں الفاظ نہیں ہیں حقیقت ہے جس کو اللہ پسند کرے وہ RIGHT اور جس کو اللہ تعالیٰ پسند نہ کرے وہ WRONG میرے حساب کتاب سے خواہ وہ کتنا بھی RIGHT کیوں نہ ہو اس کو پسند نہیں WRONG ہے مجھے غلط معلوم ہو لیکن رب کو پسند ہو تو RIGHT ہے۔تو غیر المغضوب علیھم ولاالضالین ''نہ ان لوگوں کا رستہ جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ہی گمراہوں کا

رستہ‘‘۔

اگلی چیز کہ جس کو انسان اپنا آقا اور اپنا رب مان لے اس کے ساتھ پھر انسان کیا معاملہ کرتا ہے سب سے پہلے اس سے مانگتا ہے، دوسرے نمبر پر اس سے راستہ پوچھتا ہے۔ یعنی کسی بھی جگہ SERVICE JOIN کرنے سے پہلے DUTY REPORT کرتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ بتائیں جی کیا کرنا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ رب کے ساتھ LOYAL (وفاداری) ہو یہ رب ماننے کا لازمی تقاضا ہے۔ EMPLOYER کے ساتھ انسان کی وفاداری آٹھ گھنٹے کی ہوتی ہے، آٹھ گھنٹے جب تک آپ اس کی یونیفارم میں ہیں اس کی ڈیوٹی پر ہیں آپ کی LOYALITY اس کے ساتھ ہے لیکن جب DUTY HOURS ختم ہو گئے تو اب آپ اس کے وفادار نہیں رہے، اب آپ پاکستان کے آزاد شہری ہیں، اگر وہ الیکشن میں کھڑا ہوتا ہے تو آپ اس کے خلاف ووٹ دے سکتے ہیں لیکن جب آپ اس آٹھ گھنٹوں کے اندر ہیں تو آپ اس کی وفاداری کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتے لیکن جس کے آپ غلام ہیں اس کے ساتھ وفاداری لازمی ہے اخلاص کے ساتھ، اخلاص کسے کہتے ہیں؟ خالص سے بنا ہے خالص کر دینا اور خالص کا لیبل صرف اسی شے پر لگ سکتا ہے جو سو فیصد خالص ہو اگر ایک فیصد بھی ملاوٹ ہو تو اسے پھر لیبل ناخالص کا لگے گا۔ تو چوبیس گھنٹوں میں سو فیصد انسان کا اللہ کا ہو جانا اپنے رب کا ہو جانا یہ اللہ کو رب ماننے کا لازمی تقاضا ہے، پھر جینا اور مرنا اسی کے لئے ہے، یہی اخلاص کا لازمی تقاضا ہے کہ انسان اپنے مالک کے لئے جئے اور مالک کے لئے مرے اور یہی حکم رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا تھا

قل انّ صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ ربّ العٰلمین

(الانعام 162)

’’کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ربّ العالمین ہی کے لئے ہے‘‘

اور پھر جب ہم اللہ کے لئے بندگی کو خالص کر دیتے ہیں تو پھر پرستش بھی اسی کے لئے ہو جائے گی۔ آخری چیز اپنے مالک کے ساتھ رشتے میں جو سب سے IMPORTANT

چیز ہے وہ یہ کہ اگر انسان سے غلطی ہوجائے تو اسی سے معافی مانگے اور یہ وفاداری بڑی شے ہوتی ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ رب کا ترجمہ LORD ہے ہمارا جو FEUDAL SYSTEM ہے اس میں جو کمّی ہوتے ہیں ان کی حیثیت غلاموں سے کم نہیں ہوتی کوئی ان کے پاس چوائس نہیں ہوتی بیچارے پیدا ہوتے ہیں تو ان کے گھر میں یہ UNDER STOOD بات ہوتی ہے کہ وہ پیدائش کے دن سے کمی ہوتا ہے۔ اور عام طور پر جو REAL LORD (خاندانی لارڈ) ہیں ان کا طرزِ عمل اگر آپ COMPARE کریں گے سرمایہ داروں کے ساتھ تو زمین آسمان کا فرق ہے۔ کسی سرمایہ دار کا، کسی INDUSTRIALIST کا، کسی مل مالک کا (خواہ وہ ارب پتی کیوں نہ ہو) اس کا اگر کوئی ملازم چوری کر لے یا ہیرا پھیری کر لے تو کیا کرتا ہے وہ اس کو کمرے میں بند کر کے منشی کو بلاتا ہے کہ اس کا سارا حساب کرو جب تک سارے پیسے RECOVER نہیں ہوتے اس کو چھوڑتا نہیں۔ اس کے مقابلے میں جب ایک FEUDAL LORD کو پتہ چلتا ہے کہ اس کے کسی کمی نے چوری کی ہے وہ اسے بلاتا ہے اسے پتا ہوتا ہے کہ مجھے کیوں بلایا جارہا ہے، بس اگر وہ ماتھے پر ہاتھ رکھ کر سلام کرتا ہوا LORD کے سامنے آجائے تو بس یہی اس کی معافی ہے اس کو ایک دو گالیاں دیتا ہے، ایک آدھ ٹھوکر لگاتا ہے اس کو اور بس معاملہ ختم ہوجاتا ہے۔ لیکن جب اسے پتا چلتا ہے کہ اس نے اپنی وفاداری بدل دی ہے یا میرے کسی شریک کے ساتھ دوستی کر لی ہے تو وہ پھر اس کو جان سے بھی ماردیگا یہ LORD ATTITUDE ہے۔ تو اللہ تعالی کون ہے؟ اللہ تعالی ہمارا رب ہے LORD OF THE LORDS ہے، اس کا طرزِ عمل کیا ہوگا؟ تم سے غلطی ہوجائے تو

قل یٰعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمۃ اللہ
ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا ان اللہ ھوالغفور الرحیم O

''کہہ دوا ے میرے بندو جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں یقیناً اللہ تعالی تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے وہ تو بخشنے والا مہربان ہے''

یہ تو بڑی دل چسپ اور غور کرنے کی بات ہے کہ اللہ کیوں بخش دیتا ہے دنیا کا فیوڈرل لارڈ بخشتا نہیں ہے کہ اس کا نقصان ہوجاتا ہے۔ اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں اللہ کا کچھ

بگڑتا نہیں ہے جبکہ میں اپنے آجر کی یا اپنے دنیاوی فیوڈرل لارڈ کے ساتھ کوئی خیانت کروں اس کا نقصان ہو جائے گا اور نقصان کے اثرات تو باقی رہتے ہیں تو خواہ آدمی اوپر اوپر سے معاف کر دے لیکن اللہ تعالی واقعتاً بخش دیتا ہے کیوں کہ ہماری نافرمانی سے اس کا کچھ نہیں بگڑتا، ہم اللہ کی بڑی سے بڑی نافرمانی کر دیں اللہ کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا ہے لہٰذا واقعتاً مغفرت جس چیز کا نام ہے ''معاف کر دینا'' یہ صرف اور صرف کر ہی اللہ سکتا ہے، کوئی اور چاہے بھی تو زبانی معاف کرے گا لیکن دل میں کچھ نہ کچھ اس کے اثرات باقی رہیں گے، دل میں تھوڑا سا کچھ کھردرا پن اور وہ غل باقی رہ جاتا ہے جبکہ اللہ تعالی واقعتاً معاف کر دیتا ہے۔ تو جس کو اپنا رب مانا ہے اسی کے سامنے ہاتھ پھیلایا جائے، اسی سے راستہ پوچھا جائے، اسی کے ساتھ وفاداری اختیار کی جائے، اسی کے لئے جیا جائے اور اس کے لئے مرا جائے اور اگر غلطی ہو جائے تو اسی سے معافی مانگ لی جائے، پورا قرآن مجید آپ کھنگال لیجئے الحمدللہ سے شروع کر کے والناس تک چلے جایئے یہی کچھ ہے مانگو اسی سے جو کچھ مانگنا ہے، پرستش کرو تو اسی کی، راستہ پوچھو تو اسی سے، وفادار ہو جاؤ تو اسی کے، AT LAST BUT NOT THE LEAST کوئی خطرہ ہو تو (وہی بات جو میں کہا تھا کہ آخر میں کہنے والی ہے اب اصل مقام پر اسی کو بیان کرتا ہوں) کوئی خطرہ ہو تو پناہ کس کی چاہو گے؟ PROTECTION کس کی طلب کرو گے؟ اپنے رب کی

،قل اعوذ برب الفلق ـــــــــــ قل اعوذ برب الناس

دو قسم کے خطرات ہیں ایک اندرونی قسم کے اور دوسرے بیرونی قسم کے خطرات۔ پہلی سورت میں بیرونی خطرات اکٹھے کر دیئے ـــــــــــ قل اعوذ برب الفلق من شرّ ما خلق یعنی جو کچھ ہے اللہ نے پیدا کیا، اللہ کی تخلیق سے کچھ بھی باہر نہیں اور اللہ کے اختیار سے باہر بھی کچھ نہیں، تو اب تمام چیزیں اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں ان تمام کے شر سے مجھے حفاظت بھی اپنے رب کے پاس ہی ملے گی۔ اور اندورنی خطرات اندر شیطان بیٹھا ہوا ہے، انسان کے اندر نفس بیٹھا ہوا ہے یہ چیزیں انسان کو برائی پر اکساتی ہیں، یہ انسان کو اللہ کی بغاوت پر اٹھاتی ہیں، اب پناہ لیں تو بھی اپنے رب کی پناہ۔

قل اعوذ برب الناس O ملك الناس O اله الناس O من شر

الوسواس الخناسO الذی یوسوس فی صدور الناسO

من الجِنة والناسO

ایک دعا میں نبی اکرم ﷺ نے اللہ سے اللہ کی پناہ مانگی ہے ''اے اللہ میں تیرے غضب سے تیری پناہ میں آتا ہوں''۔ اوراعوذ بك منك ''اے اللہ میں تیرے مقابلے میں تیری ہی پناہ میں آتا ہوں'' یعنی جب انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ رشتہ گانٹھ لے اور رشتے کو PERSONALIZE کر لے اپنائیت پیدا کرے اس رشتے کے اندر تو پھر یہی مزا آتا ہے انسان کو کہ بس انسان کا اول بھی یہی اور آخر بھی یہی۔ میں کون ہون تعارف ہے نا انسان کا۔ انسان اپنا بہتر سے بہتر تعارف کروانا چاہتا ہے لوگوں کو IMPRESS کرنے کیلئے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر انسان کو اپنی اصل حقیقت معلوم ہو جائے وہ جو کہا تھا اقبال نے

ؔ جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی
عطار ہو رومی ہو رازی ہو کہ غزالی ہو
کچھ ہاتھ میں آتا نہیں بن آہ سحر گاہی

ان کا دوسرے شعر ہے

ؔ کشادہ دست کرم جب وہ بے نیاز کرے
نیازمند نہ کیوں عاجزی پہ ناز کرے

یعنی غلامی عاجزی کا نام ہے جب انسان کو اپنی اصل حقیقت معلوم ہو جائے تو یہی اللہ کے سامنے عاجزی انسان کے لئے فخر کی بات ہے اور یہ کہنا کہ میں آزاد آدمی ہوں اس میں انسان کی GRACE نہیں ہے، یہ کہنا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں غلام ہوں یہ انسان کے لئے عزت کی بات ہے۔ اس لئے کہ نمبر ایک یہی انسان کی اصل حقیقت ہے REALITY IS ALWAYS GRACEFUL حقیقت میں وقار ہوتا ہے اور جھوٹ میں وقار نہیں ہوتا۔ اگر میں کہوں کہ میں بڑا چودھری ہوں تو یہ حقیقت کے خلاف ہے کیا وقار رہے گا؟ میرا اندر سے مجھے پتا ہے کہ میں کچھ نہیں اور میں کہہ رہا ہوں کہ میں بڑا چودھری ہوں تو میرا اندر ہی میرے وقار کو

تسلیم نہیں کریگا؛ حقیقت کے خلاف ہے وقار کوئی نہیں، اس کے مقابلے میں میں بندہ ہوں حقیقت ہے اس میں وقار ہے۔ میں نے مثال دی تھی مل مالکان میاں صاحبان کہلاتے ہیں اور یہی لفظ میاں اور سائیں پنجابی اور سرائیکی میں ربّ کا ترجمہ ہے تو جتنا بڑا انسان کا سائیں ہوا تنا ہی انسان GRACEFUL ہو جاتا ہے جیسا کہ مل مالکان کا کوئی خاص بندہ ہوتا ہے جب محسوس کرتا ہے کہ میں مل مالکان کا خاص بندہ ہوں تو بڑا چوڑا ہو کر مل میں چلتا ہے اور جنرل مینجر کو بھی کچھ نہیں سمجھتا۔ جب ایک انسان یہ بات دل میں تسلیم کرلے گا کہ میں رب العلمین کا بندہ ہوں وہ کتنا GRACEFUL ہوگا۔ ذرا تصور کیجئے اس کی کیا شان ہوگی لیکن ایک رتی بھی اگر آپ اپنے دل میں یہ محسوس کریں گے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں تو آپ کے دل میں یہ احساس ہونا شروع ہو جائے گا یہ احساس گہرا ہوگا تو یہ GRACE بھی تھوڑی سی اور زیادہ ہو جائے گی اور احساس گہرا ہوگا تو شان اور بڑھ جائے گی۔

ابتدا میں سورۃ حم السجدۃ کی ایک آیت سنائی تھی اب اس کی طرف آ رہا ہوں۔ فرمایا!

ان الذین قالوا ربنا الله ''یقیناً وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہمارا رب تو اللہ ہے''

ثم استقاموا ''پھر وہ ثابت قدم رہتے ہیں'' تتنزل علیهم الملئکة الاتخافوا ولا تحزنوا ''ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (یا ہوں گے، کہتے ہیں) نہ ڈرو نہ غمگین ہو۔''

میں رب العلمین کا بندہ ہوں مجھے ڈر کس بات کا؟ میں اس کے ساتھ LOYAL رہا ہوں غم کس بات کا؟ خوف ہوتا ہے مستقبل کا اور غم ہوتا ہے ماضی کا تو جب انسان اس مقام تک پہنچ جائے یعنی یہ مقام کوئی GAIN کرنے والا مقام نہیں ہے یعنی جو اس کی اصل حقیقت تھی اس کو پالے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں انّی عبداللہ تو پھر اس کو اس دنیا میں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، نہ یہاں ڈرنے کی ضرورت ہے نہ قیامت میں، تو انسان کی عظمت بھی اسی میں ہے انسان کی بے خوفی بھی اسی میں ہے اور انسان کی چنتا بھی ختم اور خوف بھی ختم۔

ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل علیهم الملئکة

الّاتخافوا ولا تحزنوا

یقیناً وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہمارا رب تو اللہ ہے پھر وہ ثابت قدم رہیں ان پر

فرشتے نازل ہوتے ہیں (کہتے ہیں) نہ ڈرو نہ غمگین ہو۔

انہیں خوشخبری دیتے ہوئے نہ ڈرو غمگین نہ ہو۔

وأبشروا بالجنة التی کنتم توعدون

اور خوشیاں مناؤ اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

یہ سارے کا سارا انعام کس بات پر ہے؟ صرف یہ کہنے پر کہ ہمارا رب تو اللہ ہے لیکن یہ ساری THEORATICAL باتیں ہیں، نظریاتی باتیں ہیں میں نے کہہ دی۔ آپ اس کا لطف تب ہی اٹھا سکتے ہیں کہ آپ کبھی تنہائی میں بیٹھ کر جہاں کوئی اور آپ کے پاس نہ ہو، کوئی اور آپ کی بات سننے والا نہ ہو سوائے اللہ کے اور تنہائی میں بیٹھ کے اللہ سے کہئے:

''اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں اور تو میرا رب ہے۔ اللہ تو میرا رب ہے میں تیرا بندہ ہوں اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور تو میرا رب ہے۔''

صرف اس کا کچھ وظیفہ کیجئے دل ہی دل میں زبان سے بے شک نہ کہئے پھر آپ کو شاید لمحے بھر کے لئے احساس ہو کہ یہ کتنی بڑی بات ہے اور واقعی محسوس ہوگا کہ ہاں منزل مطلوب یہی ہے۔ اور پھر سمجھ میں آئے گی کہ قرآن کیا پیغام لے کر آیا ہے۔ حضورﷺ کیا پیغام لے کر آئے تھے۔ آپ نے پوری زندگی میں کیا کیا؟ اسی پیغام کا اعلان پوری دنیا میں کیا، اسی کی طرف لوگوں کو بلایا، اسی کا پرچار کیا، اسی پر کاربند ہوئے، اسی کے لئے زندگی کھپائی کہ اس زمین کا رب اللہ ہے لہٰذا اس پر اس کا حکم چلنا چاہئے، اس کی حکومت قائم ہونی چاہئے اور کسی کی نہیں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا اھدنا الصراط المستقیم ''ہمیں سیدھا راستہ دکھا'' لیکن سیدھا راستہ وہ جس راستے پر تو خوش ہوتا ہے وہ نہیں جس سے تو ناراض ہوتا ہے، اور وہ جس راستے پر چلنے سے خوش ہوتا ہے وہ اس نے قرآن مجید میں بیان کر دیا کہ میرا جو PRESCRIBED راستہ ہے وہ یہ ہے۔ حضورﷺ نے اور آپ کے ساتھیوں نے اس راستے کے ساتھ اپنی وفاداری کو ثابت کیا دن رات، صبح شام، جوانی بڑھاپا سب کس کام میں لگا دیئے۔

ع ''ہم تو جیتے تھے کہ دنیا میں تیرا نام رہے''۔ اور صرف ہوا میں نہیں بلکہ زمین پر بالفعل ESTABLISH کر کے چھوڑا، آپ نے اللہ کے احکام کو نافذ کیا۔ مکہ فتح ہو گیا

کیا تبدیلی نظر آئی۔ پہلے من مانی ہوتی تھی اب رب مانی ہونے لگی اور یہی حق تھا۔ کبھی موقع ملے حرم شریف میں حاضری کا اور امام صاحب کسی جماعت میں یہ سورت قریش تلاوت کریں تو ضرور لطف لیجئے اس کا کہ جب وہ کہیں فلیعبدوا رب ھذا البیت وہ گھر سامنے ہوا یک دفعہ اللہ نے مجھے موقع دیا مغرب کی نماز میں امام صاحب نے سورۃ قریش تلاوت کی اور INCIDENTLY میں اگلی صفوں میں ہی تھا بالکل سامنے کعبہ نظر آ رہا تھا۔ یہ سورۃ تو بچپن سے ہی یاد تھی لیکن اس روز اس سورۃ کو سننے کا جو لطف آیا کہ وہ سامنے ھذا کا مشار الیہ موجود ہے۔ یہاں بھی لفظ رب استعمال ہوا ہے تو اس گھر کے رب کی بندگی کرو۔ تو میرا بھی ہے رب اس زمین کا بھی ہے۔ کافر اللہ کو آسمانوں کا رب مانتے تھے عرش کا رب مانتے تھے زمین کا رب ماننے کو تیار نہیں تھے، اپنا رب ماننے کو تیار نہیں تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ پیغام دیا اور پھر اس پیغام کے لئے LOYALITY کیا تھی؟ کہ اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں تیرا دیا کھاتا ہوں میرے پاس سب کچھ تیرا ہی ہے لہذا میں تیرا ہوں تیرے حکم کو یہاں پر قائم کروں گا۔ بڑی عجیب عجیب چیزیں دنیا میں INTRODUCE کردی گئی ہیں۔ اور بڑی FUNNY قسم کے انداز میں۔ مثلاً ''انسانی حقوق'' اس سے FUNNY شے کوئی نہیں دیکھی۔ بڑا POPULAR تصور ہے انسانی حقوق کا تصور۔ ہمارے حقوق اور ہم ہی ان کا تعین کرتے ہیں۔ WHAT A FUNNY THING اگر ہم اللہ کے بندے ہیں تو ہمارا حق ہے ہی کوئی نہیں۔ پھر اگر AT ALL کوئی حق ہے بھی ! صرف وہی کہ اللہ کہہ دے کہ یہ تمہارا حق ہے۔ ہمارا حال کیا ہے؟ یہ قرآن مجید کہتا ہے۔ فی اموالھم حق للسائل والمحروم ''کہ ان کے مالوں میں مانگنے والے کا اور تنگدست کا حق ہے''۔ لیکن مجال ہے کہ ہم اللہ کا یہ حق تسلیم کریں۔ یعنی اس کا درس دینے بیٹھو تو لوگ بحث شروع کردیں گے کہ یہ پیشہ ور بھکاری ہیں۔ یہ مانگنے والے فلاں ہیں۔ میں تو جواب دیتا ہوں کہ یہ حق میرے پاس نہیں ہے کہ طے کروں کہ کون حقدار ہے اور کون حقدار نہیں ہے۔ رب العلمین کہتا ہے کہ مانگنے والا حق دار ہے۔ اور رب العلمین کے نمائندہ ﷺ کہتے ہیں کہ ''مانگنے والا سفید گھوڑے پر بھی سوار ہو کر آئے تو اس کو بھی واپس نہ کرو''۔ تو میں اللہ کے، اپنے رب کے اس حکم کو تسلیم کرتا ہوں آپ مانیں یا نہ مانیں ــــــــــ میں بھی اللہ کا بندہ ہوں میرے والد بھی

اللہ کے بندے ہیں والدہ بھی اللہ کی بندی ہیں میرے بیٹے بھی اللہ کے بندے میری بیٹیاں بھی اللہ کی بندی۔ میری بیوی بھی اللہ کی بندی۔ اب اپنے ہر بندے کو اللہ نے جو چاہا حق دیدیا، اس کا اعلان کر دیا قانون وراثت میں مجھے اچھا لگے یا برا لگے، پوری دنیا کو اچھا لگے یا برا لگے جب میں نے اللہ کو رب مان لیا ہے تو میں الحق بھی اس کو ہی مانوں گا۔ اور کسی کو الحق ماننے کو تیار نہیں ہوں۔ جس کو چاہا اس کو ہاتھ دے دیا، جس کو چاہا بینائی دیدی، جس کو چاہا سماعت دیدی ایسے ہی جس کو چاہا اس نے پورا یا آدھا دیا۔ جس کو چاہا دو حصے دے دیئے کوئی اس کو پوچھنے والا نہیں ہے وہ ربّ ہی کیسا جو جواب دہ ہو۔ پھر میں چاہتا ہوں کہ جو ہمارا تصور ہے RIGHT (صحیح) یا WRONG (غلط) کا ہے اس کو بھی واضح کر دوں ہماری CALCULATION کے مطابق صحیح اور غلط کا تصور ہمارا کچھ اور ہے۔ جبکہ سورۃ فاتحہ میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ جس سے اللہ خوش ہو وہ صحیح راستہ ہے اور جس سے اللہ ناراض ہو وہ غلط رستہ ہے۔ اسی طرح قریش رسول اللہ ﷺ کی امانت داری اور دیانت داری کو تو بڑا پسند کرتے تھے اور حضور ﷺ کے صرف اللہ کو سجدہ کرنے پر بھی انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ ان کے پیٹ میں مروڑ اس بات پر اٹھا کہ "اللہ ہمارا رب ہے اور اکیلا رب ہے" اور آج بھی یہ INTELLECTUAL MIND ہے اس کا سارا زور کس چیز پر ہے سچائی اور دیانت داری کو پروموٹ کیا جائے اور خیر وشر کے اپنے تصورات کو پروموٹ کیا جائے۔ خوش اخلاقی کو پروموٹ کیا جائے یعنی نام نئے نئے اس کے، کبھی اس کا نام SOFT IMAGE ہو جاتا ہے اور کبھی روشن خیالی کبھی اس کا نام ترقی پسند اسلام ہو جاتا ہے مگر ایک ہی شے نام بدل بدل کر آتی ہے۔ یاد رکھیں چیزیں CHANGE ہو رہی ہیں۔ کیسی عجیب عجیب CHANGES آ رہی ہیں۔ سیرۃ النبی ﷺ کے بیان میں آپ نے پچھلے چند سالوں سے نوٹ کیا ہوگا اور ابھی قریب ہی ربیع الاول آ رہا ہے نوٹ کر لیجئے گا۔ ریڈیو، ٹی وی پر سیرۃ کے موضوع پر گفتگو، لیکچر اور تقاریر کی بھرمار ہوگی وہاں رسول اکرم ﷺ کا اللہ کا رسول ہونا کم بیان کیا جائے گا اس لئے کہ رسول ہونے کی اصل حیثیت رب کا نمائندہ ہونا ہے اس کو پس پشت ڈالا جائے گا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے اخلاق کو اور اچھے کردار کو دیانت داری اور ایفائے عہد کو HIGHLIGHT کیا جائے گا۔ اس دفعہ آپ نے عیدالاضحیٰ کے موقع پر نوٹ

کیا ہوگا کہ پی ٹی وی جو مختلف مواقع پر CORNER میں CAPTION لگاتے ہیں ان میں عیدالاضحیٰ یا عید قربان کی بجائے عید ایثار لکھا تھا۔ ان سے اللہ کا بندہ پوچھے کہ حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری چلا کر کون سا ایثار کیا تھا؟ اس لئے کہ قربانی قرب سے نکلا ہے اور انہوں نے اپنے بیٹے کے گلے پر چھری چلا کر ACHEIVE کیا کیا تھا؟ اپنے رب کو خوش کیا تھا اور اس کا قرب حاصل کیا تھا ایثار کہتے ہیں REFRENCE کو یعنی دوسرے کو اپنے آپ پر فوقیت دینا۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کونسا ایثار کیا تھا یعنی بات ایک ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی رسالت پس پشت کرنا اور آپ کی دیانت، سچائی اور خوش اخلاقی کو نمایاں کرنا یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی جو خالصتاً اللہ کے حکم کی COMPLIANCE میں کی گئی تھی اس کو ایثار کا نام دینا اور اس سے ہوا میں تقریریں کرنا یہ قربانی ہمیں سبق سکھاتی ہے کہ دوسروں کے لئے ہم ایثار کیا کریں حالانکہ اس قربانی میں اس کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں آتا۔ یعنی اس قربانی کو سنت سمجھ کر ہم ادا کرتے ہیں تو اس میں حضور اکرم ﷺ کی پروموشن ہے کہ MOTIVATE کرتے ہیں کہ غریبوں کو بھی شامل کر لیا کریں۔ وہ ایک اضافی چیز ہے۔ لیکن قربانی اور عیدالاضحیٰ کی اصل کیا ہے۔ کہ رب نے حکم دیا۔

تو یہ بات تو سب کی سمجھ میں آئی کہ ہمارا رب اللہ ہی ہے۔ اور انسان کا صحیح ہونا بندہ بننا ہے۔ تو آیئے ہم سب اللہ کے بندے بن جائیں۔

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولسائر المسلمین

قرآن مجید کے علم کو جدید تعلیم یافتہ حضرات میں عام کرنے کی اہمیت پر
شیخ الہند حضرت مولانا

محمود الحسن

رحمة الله عليه کے

3اہم فرمودات

مختصر تعارف

حضرت شیخ الہندؒ ہندوستان (موجودہ بھارت، پاکستان، بنگلہ دیش، نیپال، سری لنکا، آسام، برما وغیرہ) کی متفقہ واحد جماعت جمعیت علماء ہند کے صدر رہے۔ جس میں علماء اہل حدیث، علماء دیوبند، علماء شیعہ، علماء فرنگی محل، علماء اجمیر اور علماء بدایوں کے علاوہ مولانا احمد رضا خان صاحب کے داماد مولانا عبدالعلیم صدیقی (مولانا شاہ احمد نورانی صاحب کے والد) بھی شامل تھے۔ مزید برآں آزادی ہند کی جدوجہد میں بھی مولانا مجاہد کبیر کا مقام رکھتے تھے۔ اسی لئے چار سال مالٹا کے جزیرے میں قید رہے۔ (غالباً اسی مالٹا کا عیسائی مشن ہے جو جھنگ میں چرچ اور ایک سکول چلا رہا ہے) آپ قید سے رہائی کے بعد صرف چھ ماہ زندہ رہے اس دوران کی دو تقریروں اور ایک سابقہ تحریر کے اقتباس پیش خدمت ہیں۔

1

حضرت شیخ الہندؒ انگریز کی جزیرہ مالٹا میں چار سال کی قید سے رہائی کے بعد 8 جون 1920ء کو بمبئی پہنچے وہاں سے دیوبند تشریف لائے ایک عظیم الشان استقبالیہ جلسہ دارالعلوم دیوبند میں ہوا جس میں کثیر تعداد میں علماء نے شرکت کی اور شیخ الہندؒ (بعمر 70 سال) نے خطاب فرمایا!۔

''میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں۔ تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی، اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کر دوں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی بستی میں قائم کئے جائیں۔ بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے۔ اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے، اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔

2

علی گڑھ اور دیوبند اگرچہ زمینی طور پر زیادہ دور نہیں تھے۔ مگر تہذیبی اور علمی فرق بہت گہرا تھا۔ جس کا عکس آج بھی دارالعلوم اور کالج میں پایا جاتا ہے۔ مگر اس کے باوجود آپ نے شدید علالت میں علی گڑھ کا دورہ کیا اور عالی ظرفی اور وسعت کا مظاہرہ سامنے آیا کہ انہوں نے فرمایا! ''میں نے اس پیرانہ سالی اور علالت ونقاہت کی حالت میں آپ کی اس دعوت پر اس لئے لبیک کہا کہ میں اپنی گم شدہ متاع کو یہاں پانے کا امیدوار ہوں۔ بہت سے نیک بندے ہیں جن کے چہروں پر نماز کا نور اور ذکرالٰہی کی روشنی جھلک رہی ہے ــــــــــ اے نونہالانِ وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غم خوار جس میں میری ہڈیاں پگھلی جا رہی ہیں۔ مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور سکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی جانب بڑھایا اور اس طرح ہم نے دو تاریخی مقاموں دیوبند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا''۔

3

شیخ الہندؒ کے ترجمے اور حواشی میں جو آپ کا پیش لفظ مطبوعہ موجود ہے۔اس میں آپ نے مسلمانوں کو قرآن پڑھنے اور ترجمہ سیکھنے کے لئے بڑا دردانگیز پیرایہ اختیار فرمایا ہے۔

''حضرات علمائے کرام نے عوام کی بہبودی کی غرض سے سہل اور آسان متعدد ترجمے شائع فرما دیئے ہیں۔ایسے ہی اس کی حاجت ہے کہ علی العموم مسلمانوں کو ان ترجموں کو سیکھنے اور ان کے سمجھنے کی طرف رغبت بھی دلائی جائے۔علمائے کرام اہل اسلام کو خاص طور سے ترجموں کے سیکھنے اور پڑھنے کی ضرورت اور اس کی منفعت دلنشین کرنے میں کوتاہی نہ فرمائیں بلکہ ترجمہ کی تعلیم کے لئے ایسے سلسلے بھی قائم فرما دیں کہ جو چاہے اسے بر سہولت اپنی حالت کے مناسب اور فرصت کے موافق،حاصل کر سکے۔

والله الموفق و المعین''